عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید برون

ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کی وفات پر
ہندوستان کے مقتدر شعراء کا اظہارِ عقیدت

مرتبہ:

چودھری غلام سرور فگار

(سابق ایڈیٹر رسالہ پیغامِ حق لاہور)

اقبال اکیڈمی

۴۴ ہ الف سرکلر روڈ بیرون موچی گیٹ لاہور

محصول ڈاک ۳؍

قیمت - بے جلد ۱۲؍

ایک ہزار　　　　　　بار دوم

سنہ ۱۹۴۴ء

مطبوعہ دین محمدی پریس سرکلر روڈ لاہور

شائع کردہ

سید محمد شاہ صاحب ایم اے

از دفتر

اقبال اکیڈمی

۲۴ (الف) سرکلر روڈ بیرون بوہڑ دروازہ لاہور

از

آنریبل سر عبدالقادر بیرسٹرایٹ لا سابق ممبر انڈیا کونسل (لنڈن)

کلام اقبال کو جو عالمگیر مقبولیت سر محمد اقبال کی زندگی میں ہوئی۔ اس کی مثال ادبیات کی تاریخ میں کمیاب ہے اور جس فراخدلی کے ساتھ اُن کے ہم عصر شعراء نے ان کی وفات کے بعد اُن کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔ وہ بالکل بے مثل ہے۔ مجھے کوئی اور نظیر معلوم نہیں کہ اتنے شاعروں نے اپنے ہم عصر کے کلام کی داد ایسی بے ساختگی سے دی ہو جیسی اقبال کے عہد کے شعراء نے دی ہے۔ ان میں بعض ایسے ہیں۔ جو ابتدا میں اقبال کی بڑھتی ہوئی شہرت پر رشک کرتے تھے۔ مگر آخر مان گئے کہ قسام ازل نے جو بلندی سر اقبال کو دی تھی وہ ہر ایک کے نصیب میں نہیں ہوتی۔ اور ان

کے ہم عصروں کو چھوڑ کر نوجوان شعرا تو اس حد تک مدّاح ہیں کہ تقریباً سب ان کے رنگِ سخن کے مقلد ہیں۔ انہوں نے اقبال کے انتقال کو اس قدر محسوس کیا ہے۔ کہ ان کے آنسو اب تک نہیں تھمتے۔ انہی ارادت مندوں میں جناب غلام سرور فگار بھی ہیں۔ انہوں نے "یادِ اقبال" نامی ایک کتاب مرتب کی ہے۔ جس میں وہ چیدہ چیدہ نظمیں جمع کی ہیں۔ جو اقبال کی وفات پر لکھی گئی ہیں۔ اس کا حصہ اوّل شائع ہوا ہے۔ شروع میں کچھ درد بھری غزلیں ہیں۔ جن میں فگار صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اور اس کے بعد دیگر معاصرین کی نظمیں ہیں +

فگار صاحب ایک مشاق اخبار نویس ہیں۔ کچھ عرصہ آپ لکھنؤ کے اخبار ہمدم کی ادارت میں حضرت جالب مرحوم کے ساتھ شریک رہے۔ سیالکوٹ سے اُن کا ایک رسالہ دبستان کئی سال تک شائع ہوتا رہا۔ اور اب اس کی جگہ رسالہ "پیغامِ حق" نے لی ہے۔ جو لاہور سے نکلتا ہے۔ کلامِ اقبال کی اشاعت اس رسالہ کا خاص مقصد ہے۔ اس لئے یادِ اقبال

جیسی کتاب کی ترتیب کے لئے فگار صاحب خاص طور پر موزوں ہیں ۔

فگار صاحب کی اپنی نظموں کے بعد دوسرے شعرا کے منتخب مرثیے ہیں سب سے پہلے جناب حسرت موہانی کی ایک نظم ہے جس کا یہ مصرعہ ان کے احساس کی ترجمانی کے لئے کافی ہے ۔ فرماتے ہیں

دل پہ ذوق شاعری اک بار ہے تیرے بغیر

حضرت حفیظ جالندھری نے اپنی مختصر سی نظم کو اس بلیغ شعر پر ختم کیا ہے

اقبال بلند تھا ہمارا
اب اور بلند ہو گیا ہے

جناب حفیظ ہوشیار پوری کے مرثیئے کا ایک بند کا یہ آخری شعر قابل ملاحظہ ہے ۔

کدھر کو جائیں اہل کارواں "بانگ درا" گم ہے
درا کا ذکر کیا اس کارواں کا رہنما گم ہے

خواجہ دل محمد صاحب ایم اے پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور نے کئی قطعات لکھے ہیں ۔ جن میں یہ قطعہ خاص طور پر داد

کے قابل ہے

کون لائے گا اب پیام سروش، اے دل، اقبال ہو گیا خاموش
شمع خاموش سال ہجری ہے عیسوی، شمع شاعری خاموش

جو مراثی اس مجموعہ میں انتخاب کئے گئے ہیں، سب اپنی اپنی جگہ قابل تعریف ہیں اور اس بے نظیر اثر کا ثبوت دیتے ہیں۔ جو اقبال اور کلام اقبال نے شعرائے وقت پر کیا۔ امید ہے کہ یاد اقبال کے پڑھنے والے اس انتخاب کو پسند کرینگے اور فگار صاحب کی تلاش اور محنت کی داد دیں گے ؎

اقبال اُن کا نام اور کام

جناب محمد حسنین سید بی۔ اے (جامعی)

کچھ دن پیشتر ڈاکٹر اقبال ہم میں موجود تھے۔ اُن کی بلند پایہ ہستی ہمارے لیئے مایۂ صد ناز تھی۔ ہم کو اُن کی صحبتوں اور مجلسوں کا لطف حاصل تھا۔ اُن کی زیارت دل و دماغ کو روشنی اور رُوح کو فرحت و انبساط بخشتی تھی۔ ہم اُن کے ارشادات اور فرمودات سے فیض یاب ہوتے تھے اور اُمید تھی کہ یہ سلسلہ ابھی کچھ اور جاری رہے گا، اور یقین تھا کہ ہم ابھی دورِ حاضر کے اس بلند مرتبہ حکیم اور فلسفی، انسانیت کے سچے ہمدرد و معلم اور دنیائے اسلام کے ایک مایۂ ناز فرزند سے کچھ اور کسبِ فضیلت کر سکیں گے۔

لیکن افسوس، من درپئے خیالم و فلک درپئے خیال ۲۱ر اپریل ۳۸ء کی صبح سے

ہماری تمام آرزوؤں اور تمناؤں کا خون کر دیا، اور ملت کا وہ درخشاں ستارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا

آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند

ساقی یقیناً نہیں رہا مگر قدح ہنوز باقی ہے۔ یہ سچ ہے آج ہم میں ڈاکٹر اقبال نہ رہے، ان کی صحبتیں اور مجلسیں نہ رہیں، مگر ان کا حیات بخش پیام ہم میں باقی ہے، جو ولولہ تازہ انہوں نے ملت کو بخشا ہے وہ سلامت ہے، اُن کی گرم نوائی اور آہ صحر گاہی ابھی فضا میں موجود ہے، ان کی درویشانہ اور قلندرانہ زندگی ہمارے لئے مثال ہے۔ اگر ہم میں کچھ احساس پیدا ہو گیا ہے، اگر اُن کی بانگ درا نے ہم کو غفلت سے کچھ چونکایا ہے، اگر اُن کی نالۂ نیم شبی نے ہمارے بعض قلوب پر کچھ اثر کیا ہے اگر اُن کی ضرب کلیمی نے ہمارے دل کے بتوں کو توڑ ڈالا ہے، اگر اُن کے بال ملکوتی کے سہارے ہماری پست ذہنیتیں کچھ بلند ہوئی ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کی وفات پر ماتم ہی کرتے رہیں۔ بلکہ ہمارے لئے لازم ہے کہ ان کے زندگی بخش پیام کو سمجھیں اور سمجھائیں، اُن کا سا فضل و کمال اور اُن کی سی نورِ بصیرت اپنے میں پیدا کریں، اُن کا سا سوز و ساز، اُن کی تب و تاب ہم آپس میں بانٹ لیں، اُن کے نالۂ نیم شب کا نیاز، ان کی خلوت و انجمن کا گداز ہم لے لیں، ان کی اُمنگیں اور

آرزوئیں، اُن کی اُمیدیں اور جستجوئیں ہم حاصل کریں یہی کچھ اس فقیر کی متاع تھیں۔ جو ہمیں عطا کرنا چاہتا تھا ؎

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے لٹا دے، ٹھکانے لگا دے اسے

دُنیا کو ڈاکٹر اقبال جیسی نادر ہستیاں صدیوں کے بعد میسّر آتی ہیں جب لوگ عام طور سے اقبال کے کلام کو سمجھنے لگیں گے تو ان کے حالات کی چھان بین کی جائے گی۔ ان کی زندگی کی تفصیلات کی جستجو ہوگی، ایک ایک لمحہ کے حرکات و سکنات درج کئے جائیں گے، جس کا شمار بھی مشکل ہو جائے گا۔

اقبال سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباء کا اصلی وطن کشمیر تھا، جہاں سے دو سو سال پہلے ان کے جدِ امجد ہجرت کر کے سیالکوٹ میں آبسے تھے، اقبال کے دل کو کشمیر کی یاد اکثر گدگداتی تھی ؎

کشمیر کا چمن جو مجھے دلپذیر ہے اس باغ جانفزا کا یہ بلبل اسیر ہے
ورثہ میں ہم کو آئی ارم کی ہوا جانفزا جو ہے وطن ہمارا وہ جنت نظیر ہے

اقبال کے مورث کشمیری پنڈتوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کی ایک شاخ اب تک کشمیر میں موجود ہے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ ایک ولی کے ساتھ عقیدت ہو جانے کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے

ہیں اصل کا خاص سومناتی آبا مرے لاتی و مناتی

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی

برہمن زادہ رمز آشنائے روم و تبریز است

جس زمانہ میں اقبال پیدا ہوئے وہ مسلمانوں کے لئے کچھ عجیب فلاکت و ادبار کا زمانہ تھا، دُنیائے اسلام نزع کی حالت میں تھی ہندوستانی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شکست کھانے کے بعد ہمت ہار کر ہتھیار ڈال چکے تھے مسلمانوں پر بغاوت کا الزام لگا کر اُن کی بُری طرح سرکوبی کی گئی تھی، اور بظاہر ان میں زندگی کے کوئی آثار باقی نہیں تھے۔ سر سید مرحوم اور ان کے رُفقاء ان کو جھنجوڑ کر اٹھانے کی کوشش پیہم کر رہے تھے، مگر ان میں کوئی حرکت نظر نہیں آتی تھی، دنیائے اسلام کا بھی یہی حال تھا، مُسلمان حکمران یا غیر ملکیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھے یا اپنی رعایا کے لئے نہایت جابر و قاہر، خود عیش و عشرت میں سرشار اور رعایا جہالت و افلاس میں سرمست، یورپ کے گدھ ان کو مُردار سمجھ کر ان پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے تھے، اس حال میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں پر رحم کرتے ہوئے ان کی اصلاح و سدھار کے لئے دنیائے اسلام میں چند باکمال ہستیوں کو مامور کیا۔ ترکی میں مصطفےٰ کمال، ایران میں رضا شاہ پہلوی، مصر میں زاغلول پاشا ہندوستان میں محمد علی اور ابوالکلام وغیرہم پیدا کئے۔ ان میں کسی نے تو

موقعہ مناسب مل جانے کی وجہ سے اپنا کام پورا کرلیا کسی نے کام کو شروع کر دیا مگر مکمل نہ کر سکے، اور کچھ تکمیل کے لئے شب و روز کوشاں ہیں۔ اُمت کی یہ اصلاح و سدھار الگ الگ وطنی، قومی اور نسلی بنیادوں پر ہوئی۔ اب ضرورت ایک ایسے معمار کی تھی جو ان مختلف اینٹوں سے ابراہیمی مصطفوی بنیادوں پر ایک نئے حصار ملت کی تعمیر کرے۔ اللہ نے اس کام کے لئے اقبال کو ہندوستان میں (۱۸۷۵ء) میں پیدا کیا۔

اقبال کے والد ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ ان میں مذہبیت اور دینداری بہت تھی۔ ان کے بڑے بھائی حکومت کے ایک ممتاز عہدہ دار تھے۔ اقبال کی تربیت کا سہرا ان ہی بزرگوں کے سر ہے۔ اقبال کی تعلیم مکتب سے شروع ہوئی، ذہن اور حافظہ خداداد تھا، مڈل سے جو انعام تمغے اور وظیفے حاصل کرنا شروع کیا، تو ایم۔ اے تک کرتے ہی چلے گئے۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" اس طرح اپنی تعلیم کے بارے اپنے والدین کو ہلکا رکھا۔ ایف۔ اے تک کی تعلیم سیالکوٹ میں ہوئی۔ وہاں ان کو ایک شفیق استاد شمس العلماء مولوی میر حسن مل گئے، جو عربی فارسی میں عبور رکھتے تھے، اور اُن کو یہ کمال حاصل تھا کہ اپنے شاگرد کو جو مضمون پڑھاتے اس کا اس میں صحیح مذاق پیدا کر دیتے۔ اقبال نے حتی الوسع خوب استفادہ

کیا۔ بی۔ اے کی تعلیم کے لئے لاہور آنا پڑا۔ گورنمنٹ کالج میں داخلہ ہُوا۔ فلسفہ اختیاری مضمون پسند کیا۔ حسن اتفاق سے وہاں ایک فاضل مستشرق پروفیسر آرنلڈ سے ملاقات ہوئی۔ ان کو فلسفہ کا بڑا اچھا ذوق تھا۔ جویندہ یابندہ۔ اقبال نے ان سے بھی اچھی طرح کسب فضیلت کیا۔ آپس کے تعلقات ایسے بڑھے کہ شاگردی دوستی کی حد تک پہنچ گئی۔ جب آرنلڈ صاحب انگلستان تشریف لے گئے تو اقبال نے "نالۂ فراق" کے عنوان سے آرنلڈ صاحب کی یاد میں ایک نہایت مؤثر نظم لکھی اور بالآخر ۱۹۰۵ء میں آرنلڈ صاحب کی کشش نے اقبال کو انگلستان کھینچ لیا۔

خوش قسمتی سے اقبال کو اپنے علمی منازل طے کرنے کے لئے بہت اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء سے سابقہ پڑا۔ انگلستان پہنچنے پر کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ کرایا۔ وہاں ڈاکٹر میک ٹیگرٹ براؤن نکلسن اور سارلی جیسے فضلا سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اقبال نے ان کے گلشن علم و ادب سے خوب گل چینی کی کیمبرج یونیورسٹی سے بذریعہ تحقیقات علمی فلسفہ اخلاق کی ڈگری لی۔ پھر جرمنی کی میونک یونیورسٹی سے ایک کتاب فلسفۂ ایران لکھنے پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا فرسٹ کلاس ڈپلوما حاصل کیا۔ اس کتاب پر انگلستان کے مشہور پرچوں میں بڑے بڑے اہل الرائے کے تبصرے شائع ہوئے، اور کتاب یورپ میں مقبول ہوئی۔ جرمنی سے پھر لندن واپس آئے اور

وہاں اسکول آف پولیٹیکل سائنس میں داخل ہوئے، وہاں سے فراغت کے بعد بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ انگلستان کے دوران قیام میں اسلام پر چھ پبلک لیکچر دیئے جو بہت مقبول ہوئے، لندن یونیورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ کے "قائمقام" کی حیثیت سے چھ ماہ تک عربی کے پروفیسر بھی رہے، یہ شرف کسی ہندوستانی کو شاید ہی حاصل ہُوا ہوگا۔

۱۹۰۸ء میں تین سال کی کامیاب کوششوں کے بعد اقبال وطن لوٹے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۲-۳۳ سال کی تھی۔ اس عمر میں اتنے علمی اعزازات اور ڈگریاں اللہ کی دین ہیں۔ اپنی مادری زبان کے علاوہ انگریزی، عربی، فارسی، سنسکرت اور یورپ کی کئی زبانوں میں ماہر ہونا کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ اس عمر میں شہرت اور مقبولیت کی اس بلندی پر پہنچ جانا کچھ کم قابل رشک نہیں۔

اقبال جب ولایت جا رہے تھے تو دہلی میں حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں حاضر ہوئے اور "التجائے مسافر" کے عنوان سے ایک دعائیہ قصیدہ بطور نذرانے کے ان کی جناب میں پیش کیا، جس کا ایک شعر اقبال کے میلان طبع اور فطرت سلیم کا پتہ دیتا ہے ؎

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی — مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی — بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار تو ام
دگر کشادہ جبینم گل بہار تو ام

اقبال کے دل میں بزرگوں کی یہ ارادت اور عقیدت آخر عمر تک باقی رہی۔ آگے چل کر اقبال اپنے سفر کی غرض و غایت بتاتے ہیں، اور ان کے توسط سے اللہ سے دعا مانگتے ہیں ؎

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے — شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں — تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے — کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو
مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے — کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر — تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو
پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں — کیا جنھوں نے محبت کا راز داں مجھ کو

شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ اقبال کی یہ دعا جس طرح حرف بہ حرف مقبول ہوئی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ مسافر جب تین

سال کے بعد یورپ سے لوٹتا ہے تو پھر اسی عاجزی اور انکساری کے ساتھ
اس درویش کے آستانہ پر حاضر ہو کر اپنی محبت اور اپنی پرانی عقیدتمندی
کا اظہار کرتا ہے۔ یورپ کی آب و ہوا، اس کی تہذیب و تمدن اور
علوم ہندوستان سے جانے والے اکثر طالب علموں کی قلب ماہیت کر
دیتے ہیں مگر یہ اقبال پر مطلق اثر انداز نہیں ہوتے ؎

عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

اقبال دہلی سے گذر کر انبالہ رُکے اور اپنے دوستوں سے ملتے ہوئے
لاہور پہنچے۔ اسٹیشن پر اعزہ و احباب کا جمگھٹا تھا، اسی دن شام کو ان کے
اعزاز میں ایک پارٹی دی گئی، دوسرے دن سیالکوٹ پہنچ کر اپنے ماں
باپ کے قدموں پر پیشانی رکھی ۔

اقبال جب ایم اے پاس کر چکے تھے تو اورینٹل کالج لاہور میں
فلسفہ اور سیاست مدن کے لیکچرار مقرر ہوئے، پھر گورنمنٹ کالج میں فلسفہ اور
انگریزی کے پروفیسر ہو گئے اور اپنے فرائض کو بہت حسن و خوبی سے
انجام دیتے تھے، اکثر طالب علموں کو اپنے گھر پر پڑھایا کرتے۔ علمی مشاغل
ان کی زندگی کے لئے لازمی عنصر ہو گئے تھے۔ جب اقبال یورپ سے

واپس آئے تو کچھ دنوں بدستور گورنمنٹ کالج میں پروفیسر رہے، پھر اس کے بعد وکالت شروع کی، مگر وکالت کو اقبال کی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں حاصل ہے۔ وہ محض کسب معاش کا ایک ذریعہ تھی۔ جو کچھ اس سے ہاتھ آجاتا اس پر قناعت کرتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ جو کچھ کماتے جب تک وہ خرچ نہ ہو جاتا عدالت کا منہ نہ دیکھتے، اور جو وقت اس طرح بچتا وہ کتب بینی، غور و فکر، ملت کی حالت سدھارنے اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے ذرائع سوچنے میں گذارتے، ان کی زندگی کی ساری کمائی ان کے کلام کے وہ چند مجموعے ہیں جو آج ملت کے لئے گراں بہا اور قابل فخر خزانہ ہے ۔

اقبال ذہنی طور پر فرقہ بندی سے بہت بلند تھے، ان کی ہمدردی آزاد اور ترقی پسند طبقہ کو حاصل تھی مگر وہ عملی سیاست میں قدم رکھنا نہیں جانتے تھے ۔

یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہوں
کہ فیض عشق سے ناخن میرا ہے سینہ خراش

لیکن اُن کے دوستوں نے باصرار ۱۹۲۶ء میں کونسل کے انتخابات کے لئے امیدوار کھڑا کیا اور وہ کثرت رائے سے کامیاب

ہو گئے۔ کونسل میں تاحد امکان مسلمانوں کی نمایندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش
کی۔ ان کا دردمند دل غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کی سود و بہبود کے
لئے ہمیشہ بیقرار رہا۔ اور کونسل کے مختلف اجلاسوں میں ان کے فائدے
کی بہت سی تحریکیں پیش کیں۔ اور اس قسم کی تمام تحریکوں کی پُر زور
تائیدیں کیں۔ ایک تحریک پیش کی کہ ملک کا ایک طبقہ اکثر مذہبی پیشواؤں
اور بزرگوں پر کمینے حملے کیا کرتا ہے، گورنر جنرل باجلاس کونسل سے سفارش
کی جائے کہ اس قسم کی حرکتوں کے سدباب کے لئے کوئی قانون نافذ کیا
جائے، چنانچہ ایسا ایک قانون ۱۹۲۷ء میں منظور ہو کر نافذ ہو گیا۔ تلوار کا
اسلحہ ہند سے مستثنےٰ کرنے اور حکومت کو شراب نوشی کے انسداد کی حکمت
عملی اختیار کرنے کی تحریک بھی آپ نے پیش کی وغیرہ وغیرہ۔

۱۹۲۷ء میں مدراس یونیورسٹی نے چند لکچر دینے کے لئے آپ
کو مدعو کیا۔ آپ آخر دسمبر میں وہاں تشریف لے گئے۔ اس سلسلہ میں اور بھی
کئی مقامات میسور، بنگلور اور سرنگاپٹم کی سیر کی۔ مختلف افراد، اداروں اور
انجمنوں کی طرف سے آپ کو دعوتیں ہوئیں، اور بے شمار سپاسنامے آپ کی
خدمت میں پیش کئے گئے۔ آپ نے وہاں کی یونیورسٹیوں میں لکچر
دیئے۔ اعلیحضرت نظام دکن نے بھی ملنے کی دعوت دی۔ آپ شاہی مہمان
ہو کر حیدرآباد تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی شاہانہ مہمان نوازی کی گئی

اس دوران حیدرآباد، میسور اور مدراس کے اخباروں نے آپ کے فضل و
کمال پر مقالات لکھے اور بعض نے اقبال نمبر شائع کیا +

سال ۱۹۳۱ء میں حکومت ہند کی دعوت پر گول میز کانفرنس میں شرکت
کے لیے انگلستان تشریف لے گئے۔ واپسی میں اسپین، فرانس، اٹلی
اور فلسطین کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان لوٹے۔ اس سفر میں یورپ
سے ہمارے لیے جو تحفے لائے وہ بہت ہی قابل قدر ہیں۔ بال جبریل کی
اکثر نظمیں اسی سفر میں لکھی گئیں۔ اسپین کی سیاحت اور اسلامی عہد کے
آثار جامعہ قرطبہ کھنڈرات و عمارات کا ان کے دل پر بہت اثر پڑا۔ جو
نظمیں قرطبہ میں لکھی گئی ہیں بڑی دلچسپی اور بڑے غور کے ساتھ مطالعہ کی
مستحق ہیں +

اسی سال آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ الہ آباد
میں اس کا سالانہ اجلاس ہوا جس میں انہوں نے ہندوستانیوں کے آپس
کے مناقشات دور کرنے کے لیے پاکستان کی معرکۃ الآرا تجویز پیش کی
جس سے آج کل بڑی دلچسپی لی جا رہی ہے +

۱۹۳۳ء میں شاہ افغانستان نے اپنے ملک کی تعلیمی اصلاحات کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے آپ کو کابل آنے کی دعوت دی۔ آپ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اور سر راس مسعود مرحوم کے ساتھ افغانستان تشریف لے گئے۔ اس سلسلہ میں ملک کے دوسرے حصوں کی سیر کی مختلف شاہ دگدا کے مزارات پر فاتحہ پڑھی۔ قندھار میں خرقہ مبارک کی زیارت کی۔ اس کے تاثرات کو آپ نے فارسی میں منظوم کیا ہے۔ مسافر کے نام سے یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

عملی سیاسیات سے اقبال کی دلچسپی برائے نام تھی۔ مگر ادھر چند سال سے بالکل الگ ہو گئے تھے۔ وکالت بھی چھوڑ دی تھی اور گوشہ نشیں ہو کر زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ اپنی تصانیف سے جو کچھ آمدنی ہوتی اُس پر گذارہ تھا۔ خرچ بہت تھا ۔۔۔۔۔۔ کئی آدمیوں کی پرورش کے علاوہ ایک لڑکے جاوید سلمہ کی تعلیم کے مصارف برداشت کرنے پڑتے تھے۔ کتابوں پر بھی ایک کثیر رقم صرف کرتے تھے۔

چند سال ہوئے اعلیحضرت نواب صاحب بھوپال سے ان کے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، انہوں نے ازراہ قدردانی و علم پروری پانچسو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا تھا، جس سے ان کو ایک گونہ اطمینان

ہو گیا تھا۔ اس سے کچھ سال پیشتر ان کو اپنی تصانیف سے یکمشت تقریباً ۲۵، ۳۰ ہزار کی رقم مل گئی تھی، جس سے انہوں نے اپنے چھوٹے بچے کے نام سے ایک مکان جاوید منزل میو روڈ پر بنوا لیا تھا۔ جن لوگوں نے آپ کا مکان دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ کہنے کے لئے تو کوٹھی ہے مگر اپنی سادگی اور بے سروسامانی کے لیے اپنی مثال آپ ہے۔ اس کوٹھی کے ایک گوشہ میں چارپائی پر کبھی لیٹے، کبھی تکیوں کے بل بیٹھے دن بھر حقہ پیا کرتے تھے۔ چار، پانچ سال سے ان کو بیماری نے اور بھی بالکل مجبور کر دیا تھا۔ گلے سے آواز بڑی تکلیف سے نکلتی تھی، بصارت کم ہو چکی تھی، موتیا بند کا مرض تھا، اس کا اپریشن کرانا چاہتے تھے۔ کمزوری و ناتوانی کا یہ عالم تھا کہ بمشکل گھر سے نکل کر صحن میں آ کر بیٹھتے۔ نواب صاحب بھوپال نے ان کو علاج کی خاطر بھوپال بلا لیا تھا۔ کچھ دنوں وہاں رہے۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو پھر لاہور چلے آئے اور وہیں علاج جاری تھا۔ اُمید تھی کہ افاقہ ہو جائے گا۔ اس حالت میں بھی اس فدائے ملت کے ارادے اور حوصلے قابل قدر اور لائق ستائش ہیں۔ اس بیماری کے عالم ہی میں جب بھوپال میں علاج کرا رہے تھے تو بہت سی نظمیں لکھیں، جو ضرب کلیم میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ نثر میں موجودہ حالات کے مطابق ایک فقہ اسلامی مرتب کرنے کا خیال تھا، اس کے لئے مشرق و مغرب سے مواد

اکٹھا کر رہے تھے لیکن افسوس موت نے اس کا موقع نہ دیا ، ورنہ ملت کو
اسلامی اور سیاسی زندگی کا ایک ایسا دستور مرتب کر کے دے جاتے جو ملت
اسلامیہ کے موجودہ انتشار و بے چینی کے لئے جیسا کچھ مفید ثابت ہوتا اس کا
اندازہ لگانا بہت مشکل ہے ، آپ آکسفورڈ یونیورسٹی پر روڈس لیکچر کے
سلسلہ میں بھی چند خطبات دینے والے تھے ۔

کئی سال سے آپ زیارت بیت اللہ و حرم نبوی کا ارادہ رکھتے تھے
پچھلے سال یوم اقبال کے موقع پر جب استاذی مولانا اسلم صاحب لاہور تشریف
لے گئے تو ڈاکٹر صاحب سے ملے تھے ، ڈاکٹر صاحب نے اُن سے فرمایا کہ
میں دو سال سے ارادۂ حج میں ہوں ، بلکہ وہ اشعار بھی لکھ لئے تھے جو سفر سے
متعلق ہیں اور ان میں سے کہیں کہیں سے سنایا بھی ، مکہ سے مدینہ کو روانگی
کے وقت ایک غزل لکھی ہے جس میں اللہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ؎

تو باش ایں جا و با خاصاں بیامیز

کہ من دارم ہوائے منزل دوست

کہتے ہیں کہ یہ شعر سناتے ہی گریہ ایسا گلوگیر ہو گیا کہ آواز بند ہو گئی اور
آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ۔ افسوس ! ان کو بیت اللہ اور حرم نبوی کی
زیارت کا موقع نہیں ملا ۔ ورنہ حجاز سے ہمارے لئے کیا کچھ تحفہ لاتے جس کا
ہم اندازہ نہیں کر سکتے ۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ کعبہ کی زیارت

کے لئے حجاز جاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی زیارت کے لئے کعبہ خود آتا ہے۔ سچ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو کیسے اپنے سفر سے متعلق پیشگی اشعار لکھ لیتے ——— ان اشعار کے مجموعہ کا نام ارمغان حجاز ہے

اقبال آخر عمر میں حُبِ نبوی میں بالکل ڈوب گئے تھے جیسا کہ اوپر کے واقعہ سے ظاہر ہُوا ہوگا وہ اپنے عیوب و گناہ خداوند علیم و خبیر سے کیسے پوشیدہ رکھ سکتے تھے پھر اس کی غفاری اور ستاری سے کچھ اطمینان بھی تھا۔ مگر وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ روز محشر ان کے گناہ کسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہو جائیں۔ چنانچہ ان ہی دنوں ایک نہایت پُرسوز و موثر رباعی ان کی زبان سے نکلتی ہے ؎

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر — روز محشر عذرہائے من پذیر
تو اگر بینی حسابم ناگزیر — از نگاہ مصطفےٰ پنہاں بگیر

اسی زمانہ میں وہ انگریزی زبان میں "بھولا ہوا پیغمبر" (FORGOTTEN PROPHET) کے عنوان سے ایک نظم لکھنا چاہتے تھے۔ کاش! اگر وہ نظم لکھی جاتی تو انگریزی زبان کا بھی ایک شاہکار اور غیر فانی نظم ثابت ہوتی ۔

جب اقبال کی شہرت بہت عام ہوگئی ان کی کتاب "اسرار خودی" اور "رموز بے خودی" کا یورپ کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہُوا اور ان کے علم و فضل

کاڈنکا چاردانگ عالم میں بجنے لگا تو حکومت ہند نے بھی از راہ قدردانی بڑے اعزاز و اکرام سے سب سے بڑا خطاب "سر" ان کو پیش کیا، اور انہوں نے اس کو قبول کیا۔ اس پر لوگوں کو اعتراض ہے کہ اقبال جیسے حریت پسند اور آزاد انسان نے اس کو کیوں قبول کیا۔ پھر ان پر یہ بھی الزامات ہیں کہ ملکہ وکٹوریہ کے انتقال پر ایک المیہ ترکیب بند لکھا۔ گورنر کی شان میں قصیدہ لکھا، ان کی ساری زندگی سرکار پرستوں کے ساتھ گذری ۔ع

ہے عجب مجموعۂ اضداد اے اقبال تو

بات یہ ہے اقبال ایک بلند مرتبہ انسان تھے، ان کا دل فرقہ پرستی سے پاک تھا، اور دوست دشمن ان کی نظروں میں یکساں۔ وہ قدر شناسی میں بہت فیاض واقع ہوئے تھے، اگر کوئی ان کے ساتھ معمولی احسان کرتا تو زندگی بھر اس کے احسان کو مانتے، اگر وہ کسی میں کوئی خوبی دیکھتے تو بڑی فراخدلی سے اس کا اعتراف کرتے، انہوں نے شیطان کی خودی کو بھی سراہا ہے، اور مسولینی جیسے خونخوار انسان کی ندرت فکر و عمل کی بھی داد دی ہے۔ اقبال کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ان کی نظر کسی برائی کی نسبت اچھائی پر زیادہ پڑتی ہے۔ ان کا قلم کسی ہجو لکھنے سے بالکل پاک ہے "زندگی بھر میری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے" پر عمل رہا ہے۔ اس لئے ملکہ وکٹوریہ کے انتقال پر جن کے بعض ذاتی اوصاف مسلّمہ ہیں اگر کوئی

درد انگیز ترکیب بند ان کے قلم سے نکل جاتا ہے، یا کسی انگریز کے کسی اخلاق سے متاثر ہو کر کوئی مدحیہ قطعہ لکھ دیتے ہیں یا کوئی دشمن ان کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا ہے، اور وہ اپنی اس اعلیٰ ظرفی سے کام لے کر اس کو قبول کر لیتے ہیں تو اس میں تعجب کی بات نہیں ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ اوروں کی طرح "سر" ہو کر واقعی حکومت کے آلۂ کار بن گئے ؟ اس کے لئے ہم کو ان کی زندگی پر نظر ڈالنی ہوگی۔ ہم ان کی ساری زندگی ٹٹولتے ہیں اور عاجز و درماندہ رہ جاتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی تو ایک رند مشرب صوفی اور درویش کی سی معلوم ہوتی ہے۔ زندگی بھر ان کی زبان پر یہ شعر رہا، اور اس کی دوسروں کو تلقین بھی کرتے رہے ؎

اے مرے فقرِ غیور فیصلہ تیرا ہے کیا
خلعتِ انگریز یا پیرہن چاک چاک

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم

برخلاف اس کے ان کے ساتھی سرے کیا کچھ ہو گئے ، اگرافرلیقہ

کی ایکسی لینسی ان کو پیش بھی کی جاتی ہے تو اس کو قبول نہیں فرماتے،
اس قسم کے بہت سے مواقع نام و ثروت کے زندگی میں ان کو
حاصل ہوئے۔ مگر وہ ہمیشہ ان سے احتراز کرتے رہے۔

ڈاکٹر اقبال کیا تھے؟ اس سوال کا جواب بہت مشکل ہے۔ کہنے کے
لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ دنیا کے ایک بہت بڑے انسان، دورِ حاضرہ
کے ایک بلند پایہ حکیم و فلسفی، دنیا پر خودی کا راز فاش کرنے والے،
انسانوں کو آداب جنوں و خود آگاہی سکھانے والے، غلاموں کو اسرار فقر
و شہنشاہی سمجھانے والے، مسلمانوں کو شانِ مومن بتانے والے حقیقت
کے ترجمان، انسانیت کے معلم، وطن کی عزت، ایشیا کی آبرو،
ملت کی شان وغیرہ وغیرہ، لیکن ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ
تھی کہ ان میں انسان کامل کی ایک جھلک پائی جاتی تھی، وہ خوددار فقیر پکے مومن
اور عاشق رسولؐ تھے، وہ ملت اسلامیہ کو ایک دلولہ تازہ بخشنے، انسانیت کو حیات
تازہ دینے اور غلاموں کو درس خودی دینے کے لئے مامور ہوئے تھے
اور ہم اس کی شہادت دے سکتے ہیں کہ بحمداللہ اس حکیم مشرق نے اپنے فرائض
کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ اب ان کے کام کی تکمیل اور اس کے نتائج سے فائدہ
اٹھانا ہمارا کام ہے خدا ہم کو اس کی توفیق دے۔

کَلِمَۃُ لِلنّاشِر

علامہ اقبال کی یاد میں جو لٹریچر ہندوستان میں شائع ہوا ہے اُس میں "یادِ اقبال" سب سے پہلی کتاب ہے جو سنہ ۱۹۴۰ء کے شروع میں اقبال اکیڈمی نے شائع کی تھی۔ بہاول پور کے محکمۂ تعلیم نے اس کتاب کی یہ قدردانی کی کہ ریاست کی لائبریریوں اور اسکولوں کے لیے اسے منظور کر لیا اور پہلا اڈیشن نصف کے قریب خرید لیا۔ اس کے بعد حکومت آصفیہ حیدرآباد دکن کے محکمۂ تعلیم نے اسے سکولوں اور لائبریریوں کے لیے منظور فرمایا مگر ایسے وقت میں سرکلر جاری ہوا۔ جب اس کتاب کا پہلا اڈیشن ختم ہو چکا تھا۔ دوسرا ایڈیشن اب بہت دیر کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ کتاب کی بہت مانگ ہے امید ہے کہ یہ ایڈیشن بھی پہلے ایڈیشن کی طرح ہاتھوں ہاتھ نکل جائے گا۔ وما توفیقی الّا باللہ العلی العظیم۔

محمد شاہ

مہتمم اقبال اکیڈمی لاہور

فہرست

بخدمتِ حضرت اقبال

میں بھلا دوں کس طرح پھر ترا نالۂ شبانہ
ہے اسی کے دم سے میری یہ نوائے عاشقانہ
مرے سازِ زندگی کو ہمہ تن گداز کر کے
یہ نکل رہا ہے پیہم ترے عشق کا ترانہ
وہ حقیقتیں جو اپنے جلووں کو دکھا کے چھپ گئی ہیں
شب و روز جن کی آمد کا تھا منتظر زمانہ
دلِ بے قرار یہ بھی کوئی زندگی ہے تیری
نہ نگاہِ قہرمانہ، نہ ادائے دلبرانہ
میں سناؤں ان کو کیسے یہ پیامِ رزمِ ہستی
رہے عمر بھر جو سنتے شبِ عیش کا فسانہ
ترے آتشیں ترانے ہیں مدام گا رہا ہوں
ہو مجھے بھی تا کہ حاصل تب و تابِ جاودانہ

نگار

کیمیائے عشق ہے اقبال تیری مشتِ خاک

پھر سمندِ شوق کو آکر مرے مہمیز کر
دشت کے ذرّوں کو پھر مہرِ تجلّی ریز کر

پھر بدل دے قوتِ تخلیق سے راہِ حیات
ساری دُنیا میں بپا طوفانِ رستاخیز کر

پھونک پھر اس قلبِ افسردہ میں رُوحِ حیدری
بے نوا کو وارثِ تختِ جم و پرویز کر

خود فراموشی سے خالی عاشق و معشوق ہوں
جوشِ عرفانِ نفس سے عشق کو لبریز کر

جذبِ مستی میں کھڑے ہیں پھر سراپا انتظار
یاالٰہی اپنے بندوں سے نہ اب پرہیز کر

اپنے جلووں سے منوّر کرکے دل کی کائنات
اور بھی رفتارِ ذوقِ جستجو کو تیز کر

کیمیائے عشق ہے اقبال تیری مُشتِ خاک
میری ہستی کو بھی نذرِ آتشِ تبریز کر

نگار

ہوگیا پنہاں وہ میر کارواں لاہور کا

ہو گیا پنہاں وہ میر کارواں لاہور کا
قافلہ بے جادہ و منزل رواں لاہور کا

جس نے دنیا بھر کے رندوں کو صلائے عام دی
مرشد کامل تھا اک پیر مغاں لاہور کا

اس خراب آباد میں اب وہ دل بینا نہیں
ڈھونڈتا پھرتا ہے ہر پیر و جواں لاہور کا

بجھ گیا وہ شعلہ ہے لیکن اور بھی تابندہ تر
جس کی چنگاری سے روشن تھا جہاں لاہور کا

عشق و مستی کے سنا کر نغمہ ہائے جاوداں
جاودانی کر گیا نام و نشاں لاہور کا

سینکڑوں عالم بنائے پھر دم تخلیق سے
خاک کر ڈالا جلا کر اک جہاں لاہور کا

ہو گئے ہیں باعثِ صد افتخارِ کائنات
یہ زمیں لاہور کی، یہ آسماں لاہور کا
جاوداں اس کو بھی کر اقبال سوزِ عشق سے
نذر کو لایا ہے دل، اک نوجواں لاہور کا

نفگار

تُو نے اے اقبال پھُونکا صُورِ اسرافیل کیا

دل کی بینا اَور ہے ، شیشے کی بینا اَور ہے
اِس کی صہبا اَور ہے اور اُس کی صہبا اَور ہے
ایک مستی ہے کہ مرہونِ خمارِ خستگی
جاودانی ہو اثر جس کا وہ نشّہ اَور ہے
ایک ہی جلوہ ہے لیکن فرقِ اہلِ دید ہیں
چشمِ بینا اَور ہے اور قلبِ بینا اَور ہے
وہ صحرا ہیں جو گُم ہو وہ نہیں سودائے عشق
وہ صحرا جس میں خود گُم ہوں وہ سودا اَور ہے
جس کی فطرت ہو ابینِ قاہری و دلبری
جس کا شیدائی ہے دل وہ روئے زیبا اَور ہے
کس نے پھر یکسر بدل ڈالی مری بزمِ خیال
اب تمنائی ہوں میں جس کا وہ دُنیا اَور ہے

دمبدم ہو اور بھی یہ شعلۂ فرقت بلند
میرے اس دردِ محبت کا مسیحا اور ہے
تُو نے اے اقبال پھُونکا صُورِ اسرافیل کیا!
عالم فکر و عمل کا اب تو نقشہ اور ہے

نگار

اقبال بلند ہوگیا ہے

(خانصاحب ابوالاثر حفیظ جالندھری)

غم حوصلہ مند ہوگیا ہے   دل صبر پسند ہوگیا ہے

دریا دریا تھے میرے آنسو   وہ چشمہ ہی بند ہوگیا ہے

غم کھانے کی ہوگئی ہے عادت   یہ زہر بھی قند ہوگیا ہے

کچھ لطف نہیں ہے زندگی کا   ہر سانس گزند ہوگیا ہے

ہاتھوں سے خوشی کا ہر بہانہ   پرواز پرند ہوگیا ہے

انداز حیات و مرگ اقبال   میرے لئے پند ہوگیا ہے

دنیا میں بڑا تھا اس کا رتبہ   عقبیٰ میں دوچند ہوگیا ہے

اقبال بلند تھا ہمارا
اب اور بلند ہوگیا ہے

اشکِ خونیں

(مولانا فضل الحسن حسرت موہانی کانپور)

عاشقی کا حوصلہ بیکار ہے تیرے بغیر
آرزو کی زندگی دشوار ہے تیرے بغیر
کاروبارِ شوق کی اب وہ تن آسانی کہاں؟
دل پہ ذوقِ شاعری اِک بار ہے تیرے بغیر
شرکتِ بزمِ سخن سے بھی ہمیں بادصفِ عزم
بر بنائے بے دلی انکار ہے تیرے بغیر
جس فراغت کا تمنائی تھا میں تیرے لئے
اب وہ حاصل ہے تو اک آزار ہے تیرے بغیر
درد دل جو تھا کبھی وجہِ مباہات و نشرت
بہرِ حسرت موجبِ صد عار ہے تیرے بغیر

نالۂ پابندِ نے

(جناب حفیظ ہوشیار پوری صاحب ایم اے)

عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

اقبال

سنائیں کیا کسی کو قصۂ دردِ نہاں اپنا
نہ کوئی ہم زباں اپنا، نہ کوئی رازداں اپنا

وہی ہم ہیں، وہی دیرینہ ماتم بد نصیبی کا
نہ رفتارِ زماں اپنی، نہ دورِ آسماں اپنا

ابھی کچھ داد باقی تھی ہماری سخت جانی کی
ابھی منظور تھا قدرت کو شاید امتحاں اپنا

مقدر کو تدبر سے کیا تھا سرنگوں جس نے
نظر آتا نہیں ہم کو وہ "میر کارواں" اپنا

کدھر کو جائیں اہلِ کارواں "بانگِ درا" گم ہے
درا کا ذکر کیا اس کارواں کا رہنما گم ہے

ہُوا ہے قوم کے اقبال کا لبریز پیمانہ
گیا وہ ساقیِ بزمِ خودی، ویراں ہے میخانہ

جو قندیلِ نوا سے راہِ مستقبل دکھاتا تھا
جو رو رو کر سُناتا تھا غمِ ماضی کا افسانہ

غلاموں کو کیا "ذوقِ یقیں" سے آشنا جس نے
گداؤں کو بتائی جس نے راہ و رسمِ شاہانہ

"یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم"
زمانے کو دیا جس نے یہ پیغامِ حکیمانہ

رلائے گا ہمیں اقبال کا عزمِ سفر برسوں
نہ ہوگی اس شبِ تاریکِ ہجراں کی سحر برسوں

بظاہر خاک میں پوشیدہ اہلِ دل بھی ہوتے ہیں
زمیں پیوند دنیا میں مہِ کامل بھی ہوتے ہیں

یہ گردابِ فنا ساحل ہے عمرِ جاودانی کا
کبھی گرداب کی تہ میں نہاں ساحل بھی ہوتے ہیں

یہ دنیا رہگزر ہے اور غبارِ راہ ہیں انساں
غبارِ راہ اکثر واصلِ منزل بھی ہوتے ہیں

تلاشِ نافۂ لیلیٰ میں رہتے ہیں جو سرگرداں
وہ اک دن روشناسِ پردۂ محمل بھی ہوتے ہیں

"بروں از گنبدِ در بستہ پیدا کردہ ام راہے
کہ از اندیشہ برتر می پرد آہِ سحرگاہے" (اقبال)

کچھ اس انداز سے چھیڑی حدیثِ آرزومندی
غبارِ راہ کو تو نے عطا کی شانِ الوندی

جو پایا تجھ کو اپنا محرمِ اسرارِ فطرت نے
تجھے سونپی عروسِ علم و حکمت کی حنا بندی

جہانِ آب و گِل سے لے اُڑا "ذوقِ خودی" تجھ کو
گوارا ہو نہ سکتی تھی تجھے "جینے کی پابندی"

ہم آغوش اُن شرارِ جاوداں سے ہو گیا آخر
"تری آتش کو بھڑکاتی تھی جس کی دیرپیوندی"

نشاطِ جاوداں تیرا، بہشتِ جاوداں تیری
فروغِ لامکاں تیرا، فضائے لامکاں تیری

نظر سے جلوۂ آخر کی تابانی نہیں جاتی
دل مہجور کی آئینہ سامانی نہیں جاتی
ہوا ثابت ترے "شکوۂ مرگ" سے ثابت کہ مر کر بھی
پرستاران حق کی خندہ پیشانی نہیں جاتی
تری تربت پہ جاتے ہیں، بلاتے ہیں، جگاتے ہیں
یہ نادانی سہی لیکن یہ نادانی نہیں جاتی
تو وہ شہکار فطرت تھا کہ تجھ کو چھین کر ہم سے
نہیں جاتی "مشیت" کی پشیمانی نہیں جاتی
جہاں آباد ہے تجھ سا مگر انساں نہیں کوئی
ستارے ہیں بہت لیکن مہ تاباں نہیں کوئی
تجھے ہم عمر بھر روئیں مگر رونے سے کیا حاصل؟
نہ تجھ کو پا سکیں گے اپنی جاں کھونے سے کیا حاصل؟
ترا داغِ جدائی حشر تک دل سے نہ جائے گا
یہ دھل سکتا نہیں، اشکوں سے منہ دھونے سے کیا حاصل؟
نہ پھوٹے گا نہالِ آرزو آنسو بہانے سے
یہ دانے اب زمینِ شعر میں بونے سے کیا حاصل؟

یہ نالے جب بدل سکتے نہیں تقدیرِ انساں کو
تو اِن مجبوریوں پر نوحہ خواں ہونے سے کیا حاصل؟
نہ پایانِ طلب کوئی نہ انجامِ تمنا ہے
"اثرِ فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے"
یہ ممکن ہے رگِ گلبرگ تر سے ہو شرر پیدا
نہیں ممکن کوئی اقبالؒ سا ہو پھر بشر پیدا
حیاتِ آوارۂ دیر و حرم رہتی ہے صدیوں تک
تو بزمِ عشق سے ہوتا ہے اک صاحب نظر پیدا
کئی پرویز دادِ عیش و عشرت دے کے مرتے ہیں
تو ہوتا ہے کہیں فرہاد سا خونیں جگر پیدا
"ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"
نہ جانے کتنی مدت آفتاب اس غم میں جلتا ہے
تو سنگِ تیرہ لعلِ بے بہا بن کر نکلتا ہے
دیارِ شوق سے یارب کوئی معنی طراز آئے
باآہنگِ حجازی پھر صدائے دل نواز آئے

فلک نے مشعلِ خورشید دے کر جس کو ڈھونڈا تھا
کہیں سے وہ امینِ دولتِ سوز و گداز آئے
فقیرِ رہ نشیں کو جو غرورِ خسروی بخشے
خمستانِ خودی سے وہ شرابِ خانہ ساز آئے
"سرودِ رفتہ" کی پھر آرزو ہے گوشِ معنی کو
کسی وادی سے پھر اقبال سا دانائے راز آئے
ترا قسمت شناس اے گلشنِ ایجاد پیدا ہو
کوئی نوحہ گرِ غرناطہ و بغداد پیدا ہو

حضرت اقبالؒ کا مزار

(آقائے مرتضیٰ احمد خاں میکشؔ)

جانبِ شرق جو ہے مسجدِ شاہی کا منار
ایک دن میں نے سنی اُس پہ مؤذن کی پکار

غلغلہ کلمۂ توحید کا ہوتا تھا بلند
ساتھ ہی نعرۂ تکبیر کی بھی تھی تکرار

وہ یہ کہتا تھا کہ "آرام سے بہتر ہے نماز"
وہ صدا دیتا تھا "اے نیند کے ماتو ہشیار"

اُس کی آواز میں اک سوز کی دُنیا تھی نہاں
لرزہ انگیز تھی اس مردِ خدا کی للکار

اُس کی لے سے تھی مرے قلب کی دنیا برہم
اس کی آواز سے تھی مری سماعت حظ دار

اُس کی آواز رہِ گوش سے دل میں اُتری
کر گئی روح کے خوابیدہ قویٰ کو بیدار
جا کے دیکھا تو ملی حضرتِ اقبال کی رُوح
جس کے پاؤں میں مری جان ہو سو بار نثار
مجھ کو دیکھا تو کہا "خوبِ تحیر کیوں ہے"
"اپنے مرنے کا مجھے بھی ہے مکمل اقرار"
"لیکن اس حال میں بھی میرا وظیفہ ہے وہی
ہو گیا جس میں مرا جامۂ ہستی صد تار"
"زندگی میں جرس قافلہ کہنے تھے مجھے
اب مؤذن ہوں میں در مقصرِ بزمِ ابرار"
"مأذنۂ مسجدِ شاہی کا جو ہے کاخِ بلند
دیکھو اس کاخ کے سائے میں بنا میرا مزار"

اقبال کے مزار پر عقیدت کے آنسو

(خواجہ دل محمد صاحب ایم اے سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور)

شاہنشہ اقلیم معانی اقبال — دانائے رموز آسمانی اقبال
احباب کو مرثیہ پہ اصرار ہے کیوں — رکھتا ہے حیات جاودانی اقبال

پیغام پہ پیغام چلے آتے ہیں — انعام پہ انعام چلے آتے ہیں
بے تار کا سلسلہ تھا اللہ کے ساتھ — الہام پہ الہام چلے آتے ہیں

اقبال تھا آشفتہ گیسوئے حجاز — اقبال شہید تیغ ابروئے حجاز
مرقد میں بھی انتظار باقی ہے اسے — ہونٹوں پہ تبسم اور منہ سوئے حجاز

گفتارِ حکیم ہے کلامِ اقبال — پیغامِ کلیم ہے پیامِ اقبال
سرمایۂ جوشِ زندگانی ہے یہی — گر دل میں ہو سوزِ ناتمامِ اقبال

قطعۂ تاریخِ وفات

کون لائے گا اب پیامِ سروش؟
اے دل اقبال ہو گیا روپوش
شمعِ خاموش، سالِ ہجری ہے
عیسوی، شمعِ شاعری خاموش

اقبال

جناب جلال الدین بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور

روح و روانِ دوستی، مہر منیر علم و فن
آج ترے فراق میں جانِ جہاں ہے پُرحزن

ختم تھی تجھ پہ دوستی، جس کا بنا رفیق تو
اس سے رہا تو ہم نوا مثلِ عنادلِ چمن

چشمۂ علم سے ترے نہرِ حِکَم رواں مدام
فکرِ رسا تری سدا باعثِ حیرتِ زمن

دورِ جدید میں اگر فکرِ جدید کا ظہور
ہوتا تھا تیری قوم کے فکرِ صحیح میں خندہ زن

طبعِ غیور میں تری اُٹھتا تھا ایک ولولہ
ہاتفِ غیب بن کے تو دل پہ تھا روشنی فگن

کون بنے گا تیرے بعد دینِ ہُدیٰ کا ترجمان
آئے گا کب جہان میں پھر تجھ سا پیمبرِ سخن

علّامہ اقبال

ڈاکٹر سیّد عابد حسین صاحب ایم اے پی۔ ایچ۔ ڈی
جامعہ ملیہ دہلی

لطفِ مجلس کیا رہا جب میرِ مجلس اُٹھ گیا
وائے ناکامی کہ بزمِ اہلِ دل برہم ہے آج

تھا جہاں کل نغمۂ مستانہ کا جوش و خروش
ہے وہاں آہ مسلسل نالۂ پیہم ہے آج

سینۂ مسلم کہ تھا گنجینۂ شوق و اُمید
ہے وفورِ یاس اُس میں اور ہجومِ غم ہے آج

فکر کی جب سالِ رحلت کی تو دی دل نے صدا
ملّتِ اسلام میں اقبال کا ماتم ہے آج

وصالِ اقبال

(ابو نعیم عبدالعلیم خاں نشترؔ جالندھری)

دُنیا سے اُٹھا راج دُلارا اقبال
نظروں سے چھپا راج دُلارا اقبال
ہر لحظہ ہے یوں نوحہ سرا مادرِ ہند
پیارا اقبال، ہائے پیارا اقبال

اسرارِ خودی کے کون سمجھائے گا
خود تڑپے گا کون، کون تڑپائے گا
اسلام اسی غم میں گھُلا جاتا ہے
دانائے رموزِ عشق، کون آئے گا

محسودِ شہاں مردِ قلندر نہ رہا
محکوم کا، مظلوم کا داور نہ رہا
یوں مرثیہ خواں ہے عالمِ نوعِ بشر
آزادیٔ انساں کا پیمبر نہ رہا

آہ! اقبال

(از مولانا ناصر حسن حسن پوری صاحب)

آہ! وہ اقبال کا سوزِ جگر
آہ! وہ دین کے شبستاں کا چراغ

آہ! وہ شعلہ جو مخفی ہو گیا
کر کے روشن بزمِ ایماں کا چراغ

آہ! وہ پُر درد و حق آگاہ دل!
تھا جو حکمت کے دبستاں کا چراغ

روشنی لیتا تھا جس کے نور سے
عشقِ حریت کے ایواں کا چراغ

اے قضا یہ نور چھپنے کا نہیں
گوشۂ دامن سے کیوں ڈھانکا چراغ

بے بصیرت مُردہ دل کہتے ہیں
بجھ گیا گورِ غریباں کا چراغ

جاودانی ہے اثر اقبال کا
گُل نہ ہوگا اس گلستاں کا چراغ

آہ! اقبال

(از جناب بزمی انصاری بی اے)

آج رخصت ہوئے دنیا سے جناب اقبال
چھپ گیا زیر زمیں ملت بیضا کا ہلال

آج گل ہو گئی ماتم کدۂ ہند میں شمع
جس کی کرنوں سے منور رہا فانوس خیال

آج رخصت ہوا اقوام ملل کا محسن
کیوں نہ ہر قلب پہ طاری ہو غم و رنج و ملال

شاعری نغموں میں بھرا سوز حجازی جس نے
کشور ہند میں تازہ کیا ایمان بلال رضؓ

فیضیاب اس سے ہوئے مشرق و مغرب یکساں
اس کے شرمندۂ احساں ہیں جنوب اور شمال

اس کے نغموں سے ہوا سر خودی کا افشا
یہی تھا اصل میں اس مرد قلندر کا کمال

دردِ اسلام نے رکھا صدا بے تاب اُسے
خوں رُلاتا تھا اُسے ملّتِ بیضا کا زوال
خالی مشرق ہوا اس گوہرِ یک دانہ سے
جس کی ڈھونڈے نہ ملے گی کہیں دُنیا میں مثال
خاک میں چھپ گیا وہ مردِ یگانہ صد حیف
جس کی نظروں میں تھا ملّت کا عروج اور زوال
پارہ پارہ ہے جگر، رُوح پہ غم کا سایہ
اور دلِ مسلم بیچارہ ہے صدموں سے نڈھال
اُٹھ گیا آج نقیبِ حشمِ پیغمبر
اُٹھ گیا آج زمانے سے محمد اقبال

یادِ اقبال

(از جناب محمد غالب اثر چکوالی صاحب بی اے ایل ایل بی)

ایشیا کا فخر، مشرق کا پیمبر چل بسا
آہ! وہ اقبال، وہ مردِ قلندر چل بسا

جس کی تابش سے منور تھا جہانِ شاعری
آسمانِ شعر و حکمت کا وہ خاور چل بسا

گرم تھا دل جس کا سوزِ احمدِ مختار سے
اجتہاد و صدق و آزادی کا پیکر چل بسا

جس نے پھونکا ملتِ بیضا میں افسونِ حیات
زندگیٔ جاوداں کا وہ پیمبر چل بسا

ہند کے سارے جواہر جس کے آگے ماند تھے
آہ! وہ انمول، وہ لاثانی گوہر چل بسا

عشق تھا جس کی نظر میں ملتوں کی زندگی
وہ محیطِ عشق و اُلفت کا شناور چل بسا
بام پر جس نے ترقی کے چڑھایا قوم کو
عہدِ موجودہ کا وہ بیباک رہبر چل بسا
وہ کہ جس کی ہر نوا تجدید شانِ رفتہ تھی
سیرتِ بسطامی و بوذر کا مظہر چل بسا

اقبال اور سرزمین پنجاب

از جناب بسمل دہلوی صاحب

لٹ گیا تیری تخیل آفرینی کا شباب
خون کے دانے اگل اے سرزمین پنج آب

بے خودی اب کس کو بخشے گی خمارِ معنوی
اڑ گئی تیری صراحی سے خرد پرور شراب

شعریت کا سوزِ پنہاں افروزہ برسائے گا کون
کون اب فطرت کے چہرے سے اٹھائے گا نقاب

بجھ گیا تیری فضیلت کا وہ ضو افگن چراغ
آسماں پر ڈھونڈتا پھرتا ہے جس کو آفتاب

لے گئیں حوریں اٹھا کر اس پریشاں حال کو
تو بھی کیا؟ روتی ہے اک دنیا ترے اقبال کو

لیکن اے بدبخت ہے تو ناشناسِ التفات
کس طرح کرتا ترے آغوش میں وہ دن سے رات

ان سنی کرتی تھی تو اقبال کی بانگِ درا
لے کے آیا تھا وہ تیرے نام پیغامِ حیات

ترک کی پھر بھی نہ تو نے بے حسی، مُردہ دلی
لاکھ سمجھاتا رہا وہ زندگانی کے نکات
ظلمتوں میں دیکھتا تھا وہ تجلائے قلوب
اُس کا ہر انداز تھا گرویدۂ صد مشکلات
وُہ تری تقریبِ ہمت سوز میں شامل نہ تھا
تیرا گلشن اس بلا آہنگ کے قابل نہ تھا
اب تو کہتی ہے دلِ بے حس کو گرمائے گا کون؟
رعبِ سلطانی کو اپنے ڈر سے ٹھکرائے گا کون؟
ہوگا اسرارِ خودی کا مخزن اب کس کا کلام؟
گیسوئے اُردو اب اے اقبال سلجھائے گا کون؟
کون اب پہنچائے گا پیغامِ بالِ جبریل؟
جامۂ نو کہنہ ترکیبوں کو پہنائے گا کون؟
کون اب دے گا زمانہ کو غمِ ضربِ کلیم؟
روحِ خوابیدہ کو اب سینے میں تڑپائے گا کون؟
تو رموزِ بے خودی کا آئینہ پرداز تھا
اس گلستاں کو ترا گریہ ابھی درکار تھا

سرودِ رفتہ

از جناب سیّد فیضی جالندھری صاحب

حضرت اقبال آں معجز گرے — در جہان شاعران پیغمبرے
شاعرِ مشرق، حکیم باکمال — آسمان دولت سلیماں گوہرے
ظاہرش مانند باطن خوش نظر — باطنش از ظاہر او خوشترے
مست از صہبائے اَللّٰہُ الصَّمَد — کسوتِ لَا تَقْنَطُوْا اندر تنے

زاں است ایں باشد کہ گوئی نورِ جاں — از شعاع مہر و ماہ روشن ترے
آنکہ شد ضربِ کلیمش در جہاں — بہر فرعون فرنگی خنجرے
آنکہ خوردہ از سبوئے لَا اِلٰہ — ساتگیں آسا لبالب ساغرے
ملتِ اسلام را بلبل جلیل — شاعرے حریت آں جادوگرے
غافل از خود در جہان بے خودی — خوش سرود ایں شعر حیرت پرورے

"غرق دریا طفلک و برنا و پیر
جاں بساحل برد یک مردِ فقیر"

نوحۂ اقبال

(از جناب ملک منظور حسین صاحب منظور بی۔ اے)

کس قدر درد آفریں ہے شاعرِ مشرق کا غم
روزِ محشر سے نظر آتا نہیں یہ روز کم
بن گئے ہیں سر بہ سر کاشانہ رنج و الم
کابل و ہندوستان، مصر و عرب، روم و عجم
فرطِ غم سے گلشن اسلام ہے پامال آج
سو گیا ہے اُمّتِ مرحوم کا اقبال آج
کون اب تازہ کرے گا آتشِ عشقِ مجاز
کون بخشے گا دلِ عشاق کو سوز و گداز؟
اب کہاں دیکھے گی چشمِ غزنوی حسنِ ایاز
کون سمجھائے گا اس کو معنیٔ ناز و نیاز؟
درد بن کر درد کی کھینچے گا اب تصویر کون؟
عشق بن کر اب کرے گا عشق کی تفسیر کون؟

اُٹھ گیا دنیا سے میر کاروانِ زندگی
جس کے دم پر ناز کرتا تھا جہانِ زندگی
جس کی ہمت سے کھُلے سرِّ نہانِ زندگی
جس نے آساں کر دیا تھا امتحانِ زندگی
جس کا ہر اک حرف تھا آئینہ دارِ کائنات
جس کا ہر اک لفظ تھا گنجینۂ رازِ حیات
آہ! پنہاں ہو گیا دُنیا سے وُہ دانائے راز
پیکرِ مشرق میں تھا جسکی نوا سے سوز و ساز
ذوقِ پروازِ تخیل جس کا تھا شاہیں نواز
جس کے اندیشے میں تھی اک گرمیٔ آہن گداز
آتشِ حسنِ ازل تھی شوخیٔ تحریر میں
گرمیٔ ذوقِ عمل تھی نالۂ شبگیر میں

(از جناب مولانا خدا بخش صاحب اظہر امرتسری)

اقبال! اے سپہر بلاغت کے آفتاب
ہوگا نہ کوئی مالک سخن میں ترا جواب
پل کر ہوا جواں ترے آغوش فکر میں
کہتے ہیں جس کو اہل جہاں جوش انقلاب
تُو نے اُٹھا کے پردۂ فطرت دکھا دیا
دریا میں دشت، دشت کے آغوش میں سراب
تیرا دماغ مطلع خورشید معرفت
تیرا خیال علم و حقیقت کا ماہتاب
جس سے تھے مست بادہ کشان حنین و بدر
تُو نے پلائی شعر کے ساغر سے وہ شراب

تعبیر جس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے چارسُو
تُو نے دکھا دیا وہ نئی زندگی کا خواب

کتنی حیات بخش ہے تیری نوائے شوق
پیرِ جہاں نے چھیڑ دیا نغمۂ شباب

تُو نے بتائی قوم کو تہذیبِ زندگی
پھیلی ترے کلام سے تنویرِ زندگی

اقبال اے پیمبرِ ایمانِ انقلاب
تُو نے پڑھا صحیفۂ عرفانِ انقلاب

باقی اگر ہے فیض تری موجِ طبع کا
اُٹھے گا تیرے سینے سے طوفانِ انقلاب

تار رگِ حیات سے باندھیں گے نوجوان
توڑا جو چرخِ پیر نے پیمانِ انقلاب

آنے کو ہے وہ روز کہ معشوقۂ فرنگ
مانگے گی مُنہ چھپانے کو دامانِ انقلاب

مشرق کی کالی رات سے پھیلے گا نورِ صبح
ہوگا طلوع مہرِ درخشانِ انقلاب

شاداب ہوگا بارشِ لطفِ کریم سے
صحرائے انقلاب و گلستانِ انقلاب

بانگِ درا، زبورِ عجم، بالِ جبرئیل
ہوں گے جدید عہد میں ارکانِ انقلاب

اقبال کے کلام میں غلطاں ہے جس کا نور
چرخِ عمل سے ہوگا اسی چاند کا ظہور

مانندِ ابرِ فیض گلستانِ ہند پر
برسا، برس کے غنچۂ وحدت کھلا گیا

آیا خفا لے کے خلد سے پیغامِ زندگی
پیغام دے کے خلد کو واپس چلا گیا

سازِ حیات چھیڑ کے مضرابِ عشق سے
نغموں سے دردِ دل کی کہانی سنا گیا

وہ سحرِ پُراثر جسے کہتے ہیں لوگ شعر
اس سحر سے وہ رازِ دو عالم بتا گیا

سوئی پڑی تھی قوم ہلاکت کی نیند میں
ہنگامۂ حیات و عمل سے جگا گیا

شامِ سیاہِ ہند میں جس سے تھی روشنی
دستِ اجل وہ شمع منوّر سمجھا گیا
اے شاہِ شاعران زمانہ ترا وصال
بزمِ سخن کو محفلِ ماتم بنا گیا
لیکن ترے کلام سے زندہ ہے تیرا نام
جاری ہے حشر تک ترا دریائے فیضِ عام

اقبال

(از جناب جاثم عباسی رامپوری صاحب)

ہائے وہ اقبال جو تھا واقفِ رازِ حیات
ہائے وہ اقبال جس سے بہرہ ور تھی کائنات

ہائے وہ اقبال جو تھا مصدرِ بحرِ علم وفن
فخرِ ملّت، فخرِ دنیا۔ فخرِ دیں، فخرِ وطن

ہائے وہ اقبال جس سے تھا سرِ مذہب کا باغ
فلسفی، دانا، مدبّر، منطقی، روشن دماغ

ہائے وہ اقبال جس کا چشمۂ فکرِ جمیل
دشمنانِ وطن کے واسطے تھا رودِ نیل

بڑھ گیا صد حیف اس کی سمت بھی دستِ اجل
چل بسا دارِ فنا سے وہ ادیبِ بے بدل

آسماں کی کج خرامی پر زمیں رونے لگی
ذرہ ذرہ پر جہاں کے اک اداسی چھا گئی
شامِ غم کی ظلمتوں میں چھپ گئی صبحِ بہار
محفلِ علم و ادب کے مٹ گئے نقش و نگار
لہلہاتی تھی جو اس کے فیض سے کشتِ علوم
ہو گئی ہے آج نذرِ گرمیِ بادِ سموم!
قوم کی برگشتہ حالی آج دونی ہو گئی
مادرِ ہند آج تیری گود سونی ہو گئی

علامہ اقبالؒ

(از جناب حامد الانصاری غازی صاحب)

امامِ فلسفہ و مردِ دانشِ حاضر
محمدؐ عربی کا غلام اور شاعر

وہ مردِ شعر و سخن، راہِ قدس کا راہی
ملی تھی حق سے جسے نعمتِ خود آگاہی
وہ ایک مردِ قلندر، قلندری میں امیر
وہ جس کا فقر دلیلِ شکوہِ صد شاہی

خودی کے بھید کو دنیا پہ کھولنے والا
خدا کی راہ میں حق بات تولنے والا

مفاہم عشق کے راز و نیاز کا محرم
متاعِ حُسن کو لفظوں میں تولنے والا

وہ مردِ فکر و نظر، رہ نوردِ راہِ ثبات
وہ جس کی ایک صفت، مایۂ ہزار صفات
وہ جس کے نطق سے ٹوٹا طلسم رنگِ جمود
وہ مردِ حکمت و دیں، واقفِ مآلِ حیات

وہ مرد جہد و عمل جس کی ضرب نفی کاری
وہ جس کا عالم جلال خودی و خودداری
وہ جس کے فیض سے شاداب روح کی دُنیا
وہ جس کا حوصلۂ فکر دل کی بیداری

وہ فلسفی، وہ حق آگاہ، وہ حکیم جلیل
وہ جس کا فلسفہ دیتا ہے دعوتِ تکمیل

وہ جس کی بانگِ درا روحِ کاروانِ حیات
وہ جس کے نطق کا ہر لفظ اک صدائے رحیل

وہ جس کا نطق ہے اعجازِ دینِ قیّم کا
وہ جس کا قلب تھا اک رازِ دینِ قیّم کا

جنونِ عشق میں خوددار قوم کا اقبال
وہ سرفروشوں کا سردار، قوم کا اقبال

آہ! اقبال

(از جناب ادیب مالیگانوی صاحب)

شمع فطرت تھی جہاں میں زندگی اقبال کی
ہر طرف پھیلی ہوئی تھی روشنی اقبال کی
بھا گئی اہلِ وطن کو بے خودی اقبال کی
مہر تاباں بن کے چمکی شاعری اقبال کی

سوزِ پروانے کا پنہاں اس کی خاکستر میں تھا
شعلۂ گردوں نورد اس کے دلِ مضطر میں تھا
اس نے چمکایا ستارہ عظمتِ اسلام کا
قطرہ قطرہ تھا حقیقت ریز اس کے جام کا
چل سکا قابو نہ اُس پر گردشِ ایام کا
دہر میں بجتا ہے ڈنکا آج اُس کے نام کا

اک وہی تسکین دل تھا غالب و حالی کے بعد
قوم کا کیا حال ہوگا اس کی پامالی کے بعد
اس چمن سے کیسے کیسے نغمہ پرور چل بسے
ہم نوائے بلبل شیراز اکثر چل بسے
اہل جوہر کو دکھا کر اپنے جوہر چل بسے
محفل شعر و ادب سے داغ و اکبر چل بسے
قوم کا اقبال تھا اقبال بھی جاتا رہا
آہ! وہ اک نقش بے تمثال بھی جاتا رہا
اُس نے اس انداز سے چھیڑا رباب زندگی
اُٹھ گئے اپنی نگاہوں سے حجاب زندگی
اُس کے شعروں میں تھا اک جوش شباب زندگی
ذرّہ ذرّہ بن گیا مست شراب زندگی
محفل ہستی میں ایسا رازداں کوئی نہیں
کارواں باقی ہے، میر کارواں کوئی نہیں
وہ کبھی غم ناطہ و بغداد پر تھا اشکبار
وہ کبھی تھا خاک دلّی پر دل و جاں سے نثار

سرزمینِ قرطبہ میں جب ہُوا اُس کا گذر

کی بلند اُس نے وہاں بھی اپنے سینے کی پُکار

تھا کبھی مُضطر وطن کی بیکسی کے واسطے

غم یہ سب مخصوص تھے گویا اسی کے واسطے

اب کرے گا کون لذّت آشنائے آرزو

کس کے لب سے ہم سُنیں گے نغمہ اللہ ہُو

کام آئے گا چمن کے کس کی آنکھوں کا لہو

کس سے زینت پائیگا اب یہ جہانِ رنگ و بُو

عشق کے اسرارِ پنہاں ہم کو سمجھائیگا کون؟

آتشِ دردِ محبت دل میں بھڑکائیگا کون؟

ہر نفس اقبال کا پروردۂ اسلام تھا

اُس کے ہاتھوں میں چھلکتا زندگی کا جام تھا

دردِ ملّت سے تڑپنا باعثِ آرام تھا

شاعرِ اسلام تھا وہ شاعرِ اسلام تھا

چشمِ ظاہر میں اگرچہ اب وہ ٹوٹا ساز ہے

اُس کے نغموں میں حیاتِ جاوداں کا راز ہے

اقبالؒ جنّت میں

(از جناب شیخ روشن دین صاحب تنویر بی اے ایل ایل بی)

رضواں نے بصد ناز کہا، آگیا اقبال
فردوس میں ہنگامہ ہُوا آگیا اقبال
ہے رقص کناں بادِ صبا آگیا اقبال
لہرانے لگی ساری فضا آگیا اقبال
مرغانِ ازلی نغمہ ہیں زمزمہ خواں سب
حوروں کے تبسم سے چمک اُٹھا جہاں سب
اِک موجِ طرب پیکرِ تسنیم سے اُٹھی
مستی سی ہرا بیز زر و سیم سے اُٹھی
خوشبوئے شفاعت حریم سے اُٹھی
رحمت کی گھٹا حجلۂ تکریم سے اُٹھی

تکبیر کے نعروں میں بڑھا جاتا ہے اقبال
فردوس کے پھولوں سے بسا جاتا ہے اقبال

ہاتف غیبی

اک نور کے بادل سے ندا آئی کہ خاموش
تھے سب ہمہ تن گوش تجلی سے ہم آغوش
یوں کوئی مخاطب تھا کہ اے ہوش جنوں پوش
یہ ملک ہے فردوس کہ فردا ہے یہاں دوش
یاں کام نہیں شام سے تجھ کو نہ سحر سے
آزاد ہے تو دام گہ شمس و قمر سے
ہیں اہل جناں دیر سے دیدار کے مشتاق
نوری ہیں تری گرمی گفتار کے مشتاق
کچھ اہل زمیں ہی نہیں اسرار کے مشتاق
اس خطے کے ساکن بھی ہیں اشعار کے مشتاق
ہے حکم ہمارا لب اعجاز نما کھول
کس حال میں ہیں عالم سفلی کے مکیں بول

اقبال کا جواب

احوال ہے یارب تری دُنیا کا المناک
زہر یلے خیالوں سے فضا ساری ہے ناپاک
دامان وفا دستِ تمرّد سے ہُوا چاک
باقی ہے محبت نہ صداقت نہ افلاک

تبدیل ہوا نظریۂ زیست جہاں کا
اب نام نہیں لیتا کوئی حفظ و اماں کا

گھمسان کا ہے معرکہ سُود و زیاں اب
ابلیس کے قبضہ میں ہے اقلیم جہاں اب
بیکار ہوئے تیغ و سناں تیر و کماں اب
یا بم ہیں یا ہر سمت ہے گیسوں کا دُھواں اب

طوفاں اُٹھے گا ہے قرائن سے ٹپکتا
پھر قعر جہنم سے ہے شعلہ سا لپکتا
آمادۂ پیکار نظر آتی ہے دُنیا
آپ اپنے سے بیزار نظر آتی ہے دُنیا

پھر امن کی بیمار نظر آتی ہے دنیا
فتنوں کی طلبگار نظر آتی ہے دنیا
اس آگ سے بچ سکتے نہیں ارض وسما بھی
مٹی بھی بھڑک اُٹھے گی، پانی بھی ہوا بھی
ہر قطرہ لہو کا ہے مچل جانے کو تیار
مے کی طرح ساغر سے اُچھل جانے کو تیار
افراد سے افراد بدل جانے کو تیار
اقوام کو اقوام نگل جانے کو تیار
پھر ڈھونڈتے ہیں لوگ اُلجھنے کا بہانہ
لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ کا منکر ہے زمانہ
خطبہ یہ سُناتے ہیں فقیہانِ فرنگی
حقدار ہیں جینے کو نہ اصفار نہ زنگی
مچھلی کو سمندر میں ہے دم لینے کی تنگی
حاوی ہے ہر اک قطرے پہ آئینِ نہنگی
دب سکتا ہے جو زیرِ زمیں اس کو دبا دو
کمزور کو اب صفحۂ ہستی سے مٹا دو

مشرق کی ہوا طوق و سلاسل کی ہے حامی
یاں پھولتا پھلتا ہے بہت نخلِ غلامی
ان وطنوں کی اقوام ہیں مدقوق و جذامی
صحت میں نہ ہندی ہے نہ چینی ہے نہ شامی
خوں صرف ہوا سب مرا تعمیر لیا میں
مرجاتی ہے تاثیر بھی پژمردہ ہوا میں

ہیں سخت بہت بندۂ مزدور کے اوقات
دن چین سے کٹتا ہے نہ آرام کی ہے رات
غم خانۂ نادار طرب خانۂ آفات
سرمایہ سے مضبوط ہے صنعت کا طلسمات
پھیلا ہوا ہے زیرِ فلک دام کلوں کا!
آدم سے لیا جاتا ہے اب کام کلوں کا
مذہب ہے فقط غازۂ رخسارِ معاصی
ہے پردۂ تقدیس میں انبارِ معاصی
تقویٰ کی بغل میں ہے نہاں مارِ معاصی
ہر سجدۂ زہاد ہے تکرارِ معاصی

جو جرم پنپتے نہیں بدبوں کی رہوں میں
اُن جرموں کی ہے نشو و نما خانقہوں میں

فطرت کا نوا ساز جسے کہتے ہیں اسلام
کونین کا وہ تاز جسے کہتے ہیں اسلام
رحمت کی وہ آواز جسے کہتے ہیں اسلام
وہ دل کا ترے راز جسے کہتے ہیں اسلام
وارث نہیں اس وقت اس اسلام کا کوئی
وارفتہ نہیں اب تو ترے نام کا کوئی؟

دریا ہے تلاطم سے شکستہ ہے سفینہ
دہشت سے پھٹا جاتا ہے ہر ایک کا سینہ
موجوں کے خم و پیچ ہیں یا موت کا زینہ
ہر قطرے کے دل میں ہے بھری آتش کینہ
اب کون ہیں اس کشتی لرزاں کے طرفدار؟
ملاح تلک ہو گئے طوفاں کے طرفدار

قابو میں مرے دل ہے نہ قابو میں مرے چنگ
ہو ساز اگر تیز مچل جاتا ہے آہنگ

نظروں میں ہوئی جاتی ہے جنّت کی فضا تنگ
یہ عالمِ نیرنگ ہے یا درد کا ارژنگ
یا چھین لے یارب تو سکت میری زباں کی
فردوس میں یا مجھ کو اجازت ہو فغاں کی

سر ہونے نہ پایا تھا ابھی نالۂ مضطر
ٹپکا لبِ اقبال پہ اک قطرۂ کوثر
تسکیں کی پھوار برسنے لگی اُس پر
قندیلِ مقدس سے ہوئی رُوح منوّر
پھر کان میں آنے لگے معصوم ترانے
لوٹ آئے وہی جنّتِ ماویٰ کے زمانے
باطن کی کھلی آنکھ، اُٹھا وقت کا پردہ
سب فرق ہوا دُور ازل اور ابد کا
کثرت کا جو دریا ہے وہ وحدت کا ہی دریا
وہ ایک رہا، ایک ہے اب ایک رہے گا

ڈالی جو نظر صاف تھا آئینۂ تقدیر
تھی اس میں جھلکتی مگر اعمال کی تصویر
روشن ہے مگر خلد نشینوں کی نظر میں
کل کو یہی ڈھالیں گے وہ بنیائے قمر میں
وہ دیکھتے ہیں کھیت کو بجلی کے شرر میں
اور دور جہاں ٹوٹتے ہیں نجم سحر میں

ہے سامنے پھر عالم حادث کا نظارہ
ضم ہے یم امروز سے فردا کا کنارہ

پھر رافت فطری سے ہم آغوش ہے دنیا
شہ راہِ صداقت پہ عمل کوش ہے دنیا
الفت کی ہے لے اور ہمہ تن گوش ہے دنیا
خاموش ہے پُرجوش ہے باہوش ہے دنیا
اک گوشہ میں بیٹھا ہوا سر دھنتا ہے ابلیس
تھا اپنی ہزیمت کے پر اُچھلتا ہے ابلیس
کوثر کے کنارے پہ ہے اقبال نوازن
طوبیٰ کے سرِ شاخ ہے بلبل کا نشیمن

مضرابِ خودی سے وہ بپا کرتا ہے گلشن
نغمہ کبھی نسریں ہے کبھی گل کبھی سوسن
کہتے ہیں ملائک کہ دلآویز ہے اقبال
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے اقبال

نذرِ اقبال

(از جناب اقبال شمیم بھیروی صاحب)

ایشیا کے نور، اے اسلام کے بطلِ جلیل
تیرا پروازِ تخیل ہم نوائے جبرئیل

فارسی زندہ تھی تیری شوخیٔ گفتار سے
زینتِ کاشانۂ اُردو تری فکرِ جمیل

سوزِ رُومی شعلہ افشاں تھا نواؤں میں تری
اور ترے تخییل میں تھا جلوۂ رُوحِ خلیلؑ

کارواں سالارِ اُمت ہے ترا نقشِ حیات
مردِ مومن کے لئے تیری نوا بانگِ رحیل

نسلِ آدم مدتوں روئے گی تیری یاد میں
اور دلیلِ زندگی ہو گا تری فکرِ جمیل

رنگ بدلے گی ہزاروں گردشِ دوراں مگر
غیر ممکن ہے کہ پیدا ہو سکے تیرا مثیل
تو متاعِ رفتہ کی اک رہ گیا تھا یادگار
چھن گیا اسلامیوں سے یہ بھی انعامِ جلیل
لے کے آیا بارگاہِ قدس میں تیری شمیم
آنسوؤں کے چند قطرے یعنی اک نذرِ قلیل
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورُستہ تیرے دَر کی دَربانی کرے

اقبال

(از جناب سراج الدین ظفر صاحب بی اے ایل ایل بی

دیارِ ہند میں آوارہ تھی جو بوئے لطیف
اُڑا کے لے گئی اُس کو ہوائے ذوقِ وصال

لبِ نیاز پہ لرزاں تھی جو نوائے سروش
پہنچ گئی وہ تڑپ کر سرِ حریمِ جمال

کہاں ہے آج وہ آئینہ دارِ حسنِ خودی
جلائی برقِ حقیقت سے جس نے شمعِ خیال

کہاں ہے آج وہ نغمہ طرازِ سازِ الست؟
دلوں میں پھونک دی جس کی نوا نے روحِ بلالؓ

درازدستیِ فطرت سے ہو گیا خاموش
وہ سازِ عشق کہ جس کی نوا تھی بادِ شمال

خزاں کی تند ہواؤں کی تاب لا نہ سکی!
وہ شمع خامہ پروین کی طرح جس کا جمال
تجھے خبر بھی ہے اے دستِ بے پناہ اجل؟
تری جفا سے ہوئی کشتِ عاشقی پامال
تجھے خبر بھی ہے اے رستخیزِ بادِ فنا!
کہ بجھ گئی تری جولانیوں سے شمعِ کمال
ہوا خاموش مدینے کا سازِ روح گداز
نوائے طوطیٔ بامِ حرم ہے بے پر و بال
کہاں وہ سوزِ نوا ہائے زندگی افروز!
کہاں وہ لطفِ تب و تابِ محفلِ اقبال
نظر میں اب بھی ہیں نقشے وہی سمائے ہوئے
عروسِ شعر ہے ماتم میں سر جھکائے ہوئے

عظمتِ اقبال

(از جناب شبیر محمد حمید صاحب ایم اے)

تجھ سے آباد آرزو کا جہاں زندگی بخش مدعا ہے تو
تیرے نغموں میں سحر بیداری مطربِ قدس کی نوا ہے تو
تجھ سے فطرت صحیفۂ امید عشق کی بزم کا دیا ہے تو

تو ہے دینِ خودی کا پیغمبر
مذہبِ عشق کا خدا ہے تو

دیکھ کر تیرے فکر کی رفعت حیرتی ہے قضائے لامحدود
تیری حق بیں نگاہ کے آگے اک ردائے حقیر چرخِ کبود
کعبۂ عشق کا ہے تو معمار عقل کے سومنات کا محمود

تجھ پہ وا ہیں حیات کی راہیں
تیرا تسخیرِ مرگ ہے مقصود

شکستِ شیشہ

(از جناب اجمل نجیب آبادی)

شیشۂ کائنات ٹوٹ گیا — آج اقبال ہم سے چھوٹ گیا

کس کے پہلو میں ہو وہ رُوحِ مجاز — کس کی فکر رسا ہے کاشفِ راز

کوئی جانباز فلسفہ نہ رہا — قلبِ مسلم کا حوصلہ نہ رہا

ہائے ملت کا پہلواں نہ رہا — وہ زعیمِ شرع رجز خواں نہ رہا

زندگی کھو رہی ہے آج کسے؟ — شاعری رو رہی ہے آج کسے؟

ایشیا آج اشکبار ہے کیوں؟ — رُوحِ غالب کی زار زار ہے کیوں؟

گوئٹے کے مزار پر شبنم — کہہ رہی ہے بصد فغان والم

آج عالم ہے پائمال ترا — کوئی ہمسر نہ ہم خیال ترا

غرب کی شان دل لگی نہ رہی — لب پہ مشرق کے وہ ہنسی نہ رہی

چل بسا اک حکیمِ نبضِ ملل — شرق ہی غرب تک ہے ایک خلل

روئے عالم پہ چھا رہا ہے ملال
ہائے دنیا سے چل بسا اقبال

مرقدِ اقبال

(از جناب محمد اشرف خاں صاحب عطاؔ)

وہ کہ جس کے دم سے تھیں بزمِ خودی کی رونقیں
واقفِ رازِ خودی تھا، عاشقِ نامِ رسول
جس نے ملت کے دلوں میں بھر دیا سوزِ بلالؓ
جس نے ملت کو سکھائے زندہ رہنے کے اصول
جس نے ضربِ لا سے توڑا تھا طلسمِ رنگ و بو
جس کو عالمگیر انسانی اخوت تھی قبول
جس نے قلبِ ہند میں پھونکا تھا صورِ انقلاب
جس کا دل تھا قیصریت کے مظالم پر ملول

وہ قلندر جس نے مشرق سے کہا "بیدار شو"
جس نے ملت سے کہا تقلیدِ مغرب ہے فضول
وہ قلندر جس نے افشا کر دیا سرِ حیات
آج اُس کی قبر پر ہے رحمتِ حق کا نزول

میں نے کل شب خواب میں دیکھا یہ نظارہ عجیب
عرفی و رومی و خاقانی کھڑے تھے سب ملول
کہہ رہے تھے مرقدِ اقبال پر مولائے روم
ترکِ خوابِ خویش کن اے واقفِ رمزِ رسولؐ

ماتمِ اقبال

(از جناب لالہ جگن ناتھ آزاد بی اے)

پھر نالہ ہائے غم سے ہے لبریز دل کا ساز
پھر ہو گیا ہے دیدۂ حیراں گہر طراز
وہ حق شناس فلسفی، وہ مردِ نکتہ داں
وہ باکمال شاعر و درویش و پاکباز
نغمے نئے جس سخنورِ عالی دماغ کے
مشرق میں دل پذیر تو مغرب میں جاں نواز
تیرِ اجل نے اس کو نشانہ بنا لیا
تھا ہم کو آہ جس کے کمالِ سخن پہ ناز
محفل سے آج ساقیٔ محفل ہی اٹھ گیا
آزاد اب کہاں وہ شرابِ جگر گداز

ہر بزم وقفِ نالۂ غم ہے ہزار حیف
خونابہ بار دیدۂ غم ہے ہزار حیف

اقبال اے جہانِ معانی کے تاجدار
اے رومی و ثنائی و غالب کی یادگار
معنی کو تجھ پہ فخر، تخیّل کو تجھ پہ ناز
نازاں تھا تجھ پہ مشرق و مغرب کا ہر دیار
آتش کا سوز، گُل کی مہک، برق کی تڑپ
سو جاں سے ہو گئے ترے تخییل پر نثار
تُو نے سخن کو زندۂ جاوید کر دیا
تیرے نفس نے دی چمنِ شعر کو بہار
دو گز زمیں، آہ! تجھے راس آ گئی
شہرت پہ تیری تنگ تھا دامانِ روزگار
گو زیرِ خاک کالبدِ خاک آ گیا
نورِ روح بن کے عالمِ جاں میں سما گیا

اے مزرعِ سخن پہ برستے ہوئے سحاب
اے مطلعِ وطن کے درخشندہ آفتاب
جاں بخش تیری نظم کا ہر استعارہ ہے
ہر لفظ بے مثال ہے ہر شعر لاجواب
اب آکے کون دے گا گلِ شعر کو مہک؟
بخشے گا کون گوہرِ معنی کو آب و تاب؟
کہتے ہیں ترجمانِ حقیقت بجا تجھے
ہر رازِ حق تھا دیدۂ باطن پہ بے نقاب
رتبہ تری خودی کا نہایت بلند تھا
تجھ سے ترے خدا نے کیا بارہا خطاب
اس دور میں تو آگہِ رازِ قدیم تھا
جو ہو حریفِ جلوۂ حق وہ کلیم تھا

جس کی صداؤں پر ہمہ تن گوش تھے سروش
وہ جامِ روح پرورِ عرفاں کا بادہ نوش

جس کی نوا سے نادرِ فغاں تڑپ اُٹھا
اُف، ہو گیا وہ شاعرِ آتش نوا خموش
رنگیں تھا جس کے حسنِ تخیل سے برگِ گل
جس کی گرج سے موجۂ طوفاں میں تھا خروش
سینوں میں جس نے قوّتِ گفتار سے بھرا
صہبائے بیخودی کا، سرور و عمل کا جوش
جس کے ہر اک نفس میں تھا مے خانۂ حیات
تُربت ہے اس کی سایۂ مسجد میں سبز پوش
ہے خاک میں وہ عرشِ معانی ہزار حیف
اے انقلابِ عالمِ فانی ہزار حیف

(از جناب خلیق قریشی صاحب لائلپور)

پھر حشر اُٹھانے پہ تُلا چرخِ کہن آج
اور آ گئی پھر فتنۂ قسمت پہ شکن آج

پھر سینۂ اسلام ہوا زخموں سے چھلنی
پھر چرخِ ستمگار ہوا تیر فگن آج

صد حیف کہ اقبال جدا ہو گئے ہم سے
افسوس! کہ بے بار ہوا نخلِ وطن آج

اس رنج میں بے نور ہوئے دیدۂ نرگس
اور شعلۂ جاں سوز بنی بوئے سمن آج

رخصت ہُوا محفل سے وہ اسلام کا فرزند
جس کے لئے ماتم میں ہیں ہند اور دکن آج

جس بلبلِ ہندی کا ترانہ تھا حجازی
اُس بلبل خوش لحن سے خالی ہے چمن آج
جس مردِ قلندر نے کیا سرِ خودی فاش
افسوس کہ خاموش ہے وہ زیرِ کفن آج
جس پھول سے وابستہ تھیں ملت کی امیدیں
وہ پھول ہوا صرفِ "تاراج چمن" آج
تاریک و سیہ پوش ہوا مطلعِ اُمید
ڈوبا اُفقِ ہند سے اِسلام کا خورشید

استقبالِ موت

(از جناب تبسم قریشی صاحب گجرات)

کس قدر دحشت اثر ہوتی ہے قیل وقالِ موت
توڑتے ہیں بے پناہ جور وستم افعالِ موت

زندگی بیچارگی کا دوسرا اک نام ہے
ہے قیامت درحقیقت جشنِ استقلالِ موت

وہ حکیم بے بدل مشرق کا تھا جس سے فروغ
منکشف جس پر تھے اسرارِ حیات اعمالِ موت

موت سے بےخوف ہو جانے کا جو دیتا تھا درس
کھیل بچوں کے نظر میں جسکی تھے اشکالِ موت

فلسفہ جس کا سمجھتا تھا جہانِ عشق میں
چہرۂ ہستی کی زیبائش ہے خط و خالِ موت

"مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں"
جو کیا کرتا تھا ان لفظوں میں استقبالِ موت
دست بردِ موت اس کو لے گئی ہے چھین کر
گھٹ گیا اقبالِ ہستی، بڑھ گیا اقبالِ موت
علم و حکمت کی بدولت زندۂ جاوید ہے
پیکرِ اقبال ہے گرچہ متاع و مالِ موت
آخری دم کتنے اطمینان و استقلال سے
مردِ مومن کی طرح اُس نے کیا ابطالِ موت
دب کے رہ جاؤں میں خوفِ مرگ سے ممکن نہیں
مجھ پہ غالب آ نہیں سکتے کبھی اہوالِ موت
"میں مسلماں ہوں مسلماں موت سے ڈرتا نہیں"
خندہ پیشانی سے کرتا ہوں میں استقبالِ موت

اقبالؒ کا پیغام

(از جناب الطاف حسین مشہدی صاحب)

برساتی تھی کل رات مری آنکھ ستارے
ہونٹوں پہ مچلتے تھے غضبناک شرارے

جاں حدتِ افکار سے گھبرائی ہوئی تھی
اک آگ کی آندھی تھی کہ لہرائی ہوئی تھی

نشتر سے چبھوتا تھا کوئی قلب و جگر میں
اقبال کی بے وقت جدائی تھی نظر میں

ایسے میں سیہ فام گھٹا جھوم کے آئی
اقبال کے جنت میں قدم چوم کے آئی

چلنے لگیں خوابوں کے جزیرے کی ہوائیں
ہونٹوں میں لئے قلقلِ مینا کی صدائیں

آنکھوں نے خنک جھونکوں کو شرما کے صدا دی
کچھ نیند کی مے باقی ہے یا ساری لنڈھا دی

جھونکوں نے تھپک کر مجھے زانو پہ سلایا
اور بہکی ہوئی لے میں کوئی راگ سنایا
اس راگ کی بدمست جوانی میں سما کر
آنکھوں کے جھپکتے ہی میں جا پہنچا فلک پر
کیا دیکھتا ہوں نور کے دریا کے کنارے
بیٹھے ہیں جواں چین سے پھولوں کے سہارے
ہر سمت نظر آتا ہے بہکا سا ترنم
ہر لب پہ چھلکتا ہے نشیلا سا تبسم
ہر ساز میں نغمات کی لے جھوم رہی ہے
ہر آنکھ میں بدمست ادا گھوم رہی ہے
پھولوں کے جو بستر ہیں تو کانٹوں کی ردائیں
اک پیاری سی بہتی ہیں مخمور ہوائیں
ہونٹوں پہ ہے وصل کی راتوں کی کہانی
پیمانہ بکف پھرتی ہے حوروں کی جوانی
اک حور سے ڈر ڈر کے کیا میں نے سوال
اس وقت کہاں ہوں گے بتا حضرت اقبال

اس زہرہ جبین نے مجھے رستے پہ لگایا
اور دُور سے ایوانِ غلامی بھی دکھایا
میں پیکرِ انوار کے دیدار کو پہنچا
اس صاحبِ ایثار کے دیدار کو پہنچا
کیا دیکھتا ہوں حضرتِ اقبال کھڑے ہیں
اور پاؤں میں بیچارے مسلمان پڑے ہیں
آداب بجا لایا میں گردن کو جھکا کر
اور عرض یہ کی درد کو سینے میں دبا کر
"اے ہند کی اُجڑی ہوئی بستی کے کنہیا
اے سوئی ہوئی قوم کی کشتی کے کھویا"
"میں آپ کی آنکھوں میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں
اشکوں کی جگر سوز ضیا دیکھ رہا ہوں"

شاعرِ مشرق کا جواب

اے شاعرِ بیدار! تجھے کیسے بتاؤں
اس عالمِ پُر درد کا کیسا حال سناؤں

تجھ کو نظر آتے ہیں جو روتے ہوئے چہرے
ان چہروں پہ تھے خدمت اسلام کے سہرے

جن ہونٹوں کو تو وقف فغاں دیکھ رہا ہے
ان ہونٹوں نے اسلام کا پرچار کیا ہے

ان آنکھوں کو ہر آن جو بیدار رہی ہیں
تسبیح کے دانوں پہ نظر بار رہی ہیں

دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی روانے
آغوش میں لے کے لگایا ہے ٹھکانے

اس جرم میں ملتی ہیں انہیں سخت سزائیں
خونخوار شراروں کی نفس سوز غذائیں

احساس کے ہوتے ہوئے مظلوم رہے ہیں
توحید کی مے پی کے بھی محکوم رہے ہیں

اے نور نظر جب تو مرے ہند میں جائے
اور مری ملاقات کے حالات سنائے

اس سوئی ہوئی قوم کو ٹھوکر سے جگانا
اور درد بھری نئے میں یہ پیغام سنانا

جب تک نہ خس و خارِ غلامی کو جلاؤ
جب تک نہ درِ مشرق و مغرب کو جھکاؤ
جب تک نہ قفس توڑ کے صیّاد پہ لپکو
برچھوں کے لیے ہر ستم ایجاد پہ لپکو
اس وقت تلک صاحبِ ایمان نہیں تم
ایمان تو اک سمت، مسلمان نہیں تم
یہ کہہ کے مجھے آپ ہوئے خلد سدھارے
میں تھام کے دل بیٹھ گیا درد کے مارے

سر اقبالؒ

(از جناب امین شہانی صاحب)

ڈاکٹر اقبال وہ روحِ سخن — اس جہاں سے ناگہاں جاتا رہا

بن گئی بزمِ سخن ماتم کدہ — شاعرِ معجز بیاں جاتا رہا

ہو گئی ہے آج اردو سوگوار — شاید اس کا پاسباں جاتا رہا

کس قدر حیران ہیں اہلِ سخن — آج اُن کا ہم زباں جاتا رہا

گلستانِ ہند ہے سنسان آج — بلبلِ ہندوستاں جاتا رہا

معرفت کہتی ہے آج اسلام کا — نکتہ داں و رازداں جاتا رہا

آج ہیں سب مضطرب جس کیلئے — وہ خدا جانے کہاں جاتا رہا

ذرہ ذرہ محوِ ماتم ہے کہ حیف

شاعرِ جادو بیاں جاتا رہا

ھ ۵ ۳ ۱

نوحہ اقبالؒ

(از جناب اختر بریلوی صاحب)

آہ! دنیا سے اُٹھ گیا اقبال
شاعرِ باکمال و با اقبال

خوش بیاں خوش نصیب خوش قسمت
پاک خو پاک طبع پاک خصال

نکتہ رس نکتہ سنج نکتہ شناس
آدمی صورت و فرشتہ مثال

کوہ ہیں زیرک و فہیم و ذکی
آئینہ دارِ حسال و استقبال

حق رس وحق شناس و حق آگاہ
باہنر باخرد بلند اقبال

فہم و ادراک دولت و دانش
اس کے ہمراہ تھے بہ رنگ کمال

تھا جہاں دیدہ و مآل اندیش
دولت علم و فن سے مالا مال
مغربی فلسفہ سے تھا آگاہ
مشرقی نکتوں سے بھی واقفِ حال
نازشِ دودمانِ نیک دلاں
فخرِ اوتاد و صوفی و ابدال
آشنائے رموزِ درویشاں
واقفِ جادۂ حرام و حلال
اُس کی شہرت سے گونجتا تھا جہاں
مشرق و مغرب و جنوب و شمال
تھا وہ جبہہ و شکیل و کوہ وقار
صاحبِ رعب و داب و جاہ و جلال
جسم خاکی میں اس کے تھی شاید
طاقتِ بوتراب و روحِ بلالؓ
ذاتی طبیعت میں اس کے ہمواری
صفتِ خاص اس کی استقلال

خضرِ ملت تھا ناخدائے وطن
قوم کے حق میں تھا وہ گویا ڈھال
خاص عنصر تھے اُس کے جود و سخا
تھا نہ کوتاہ اس کا دستِ نوال
اس کے افعال نیک و صالح تھے
قابلِ رشک اس کے تھے اعمال
نقش ہیں دل پہ اہلِ دانش کے
اس کے پند و نصائح و اقوال
ایشیا اس پہ رشک کرتی ہے
اس کی معدوم ہے جہاں میں مثال
شاعری اس پہ ختم ہے واللہ
کچھ نہیں اس میں جائے قیل و قال
شاعرِ اعظم ایشیا کا تھا
ہند ہی میں کم ہی ہے اُس کی مثال
اس کے دم سے فروغ اُردو تھا
اُس کے اُٹھنے سے آگیا ہے زوال

اس سے دعوے کرے تقابل کا
نہ ہوئی آج تک کسی کو مجال
خوب ہوتا تھا اس کا استنباط
اور اس سے بھی بڑھ کے استدلال
عارضِ تابناک اُردو پر
تھا وہ پیشِ نظر جو تھا خال
شاعری میں نہ پاؤ گے اُس کی
رنجِ شامِ فراق و عیشِ وصال
تھا خیال اُس کا ارفع و اعلیٰ
بال کی وہ نکالتا تھا کھال
اُس پہ اِس شاعری کا کیا کہنا
ہیچ تھے اُس کے آگے رستم و زال
سُن کے اُس کا کلام آتا ہے
وجد صوفی کو جذب کو حال
ہجر سے اُس کے غمگساروں کی
ہو گئیں رو رو کے آنکھیں لال

رہ گیا شہبازِ سدرہ نشین
اس کے دم توڑنے سے بے پر و بال
خاک کو بھی نہ اُس کی پہنچیں گے
ایڑیاں لاکھ رگڑیں گر نقال
اُٹھ گیا اس کا سایہ دُنیا سے
پر عنقا ہے آج اُس کی مثال
سب ہیں غمگیں اُس کے مرنے سے
صاحبِ جاہ اور اہلِ کمال
سوگ میں اس کے ہیں کہیں مُرغ
اس کے ماتم میں ہیں اناث و رجال
میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا
روح نے اس کی جھاڑے جب پر و بال
حوریں غرفوں سے تاکتی تھیں اُسے
اور کہتی تھیں رب تعال تعال
بات کل کی یہ ہے کہ تھا ہر سو
رونق افروزِ دہر اُس کا جمال

آج عالم ہے اُس کے ماتم میں
کل کی باتیں ہوئی ہیں خواب و خیال
کس طرح وہ جئے گا اس کے بعد
زندگی جس کی ہوگئی ہو وبال
نازشِ بزمِ ایشیا نہ رہا
لُٹ گیا شاعری کا بیت المال

ترجمانِ ملّتِ بیضا خموش

(از جناب خواجہ غلام نظام الدین صاحب نقشبندی تونسہ شریف)

ارتقائے آدمِ خاکی کی ہے تمہید موت
زندگی فانی ہے اور ہے زندۂ جاوید موت
ظلمتِ شب میں مسافر کے لئے خورشید موت
کائناتِ دہر کے آرام کی نوید موت
موت سازِ زندگی کا نغمۂ خاموش ہے
انجلائے روح بن کے روح میں روپوش ہے
دیدۂ ہستی ہے ظاہر بیں حقیقت بیں نہیں
عادتاً شرمِ پشیمانی مرا آئیں نہیں
گفتنی احوالِ جانِ مضطر و غمگیں نہیں
اب کسی پہلوِ دلِ مجروح کو تسکیں نہیں

ابرِ رحمت دامن از گلزارِ من برچید و رفت
اندکے بر غنچہ ہائے آرزو بارید و رفت"
غرقِ خوں کردے مجھے اے دیدۂ خونابہ بار
کیفِ غم نے کھو دیا ہے زندگی کا اعتبار
ہر نفس سینے میں گویا ہے اِک تیغ آبدار
دامنِ امّیدِ ملّت ہو گیا ہے تار تار
ہو گیا ہے ترجمانِ ملّت بیضا خموش
جس کے ہنگاموں سے تھی چشمِ جہاں حیرت فروش
کون چھیڑے گا محبت آفریں نغموں کا ساز؟
کون سمجھائے گا ہم کو فطرتِ ہستی کا راز
گرمیٔ گفتار سے اب کس کے ہوں گے دلگداز؟
کس کے اندازِ تکلّم پر کرے گا دہر ناز؟
رحلتِ اقبال سے سارا جہاں ماتم میں ہے
یہ زمیں ماتم میں ہے، یہ آسماں ماتم میں ہے

مزارِ اقبال پر

(از جناب محمد صادق صاحب ضیا بی اے ایل ایل بی)

آج سے ایک صدی بعد ایک زائر کا تصور

آہ! اس مدفن کی جانب دل کھچا جاتا ہے کیوں
خود بخود آنکھوں سے پردا سا اٹھا جاتا ہے کیوں

کون یہ سوتا ہے فرشِ خاک پر زیرِ زمیں
اک خموشی سی ہے چھائی اور ہے سناٹا ہم [illegible]

کون دعوت دے رہا ہے دل کو سوز و ساز کی
بو کدھر سے آ رہی ہے بوستانِ راز کی

ہاں یہ سنتا ہوں یہاں تھا اک سخنور باکمال
اک ادیب نکتہ پرور شاعرِ نازک خیال

جس کے نغموں پر تھا رقصاں انقلابِ زندگی
جس کا اک اک نقطہ تھا شرحِ کتابِ زندگی

ہاں مجھے جتنے ہیں سارا حال آتا ہے نظر
ہر طرف چھایا ہوا اقبال آتا ہے نظر

یہ اُسی چارہ گرِ ہندوستاں کی قبر ہے
اک ادیب و شاعرِ شیوہ بیاں کی قبر ہے

میری نظریں آشنا ہیں اُس کے ارشادات سے
چُن چکا ہوں پھول اُس کے خرمنِ جذبات سے

اس فضائے شعریت میں اک سکوں پاتا ہے دل
اب میں سمجھا کس لیے ایسا کھچا جاتا ہے دل

تُو نے اے اقبال وہ پیغام دُنیا کو دیا
از سرِ نو جس نے استحکام دُنیا کو دیا

اس قدر اونچا اُڑا آخر ترا شہبازِ فکر
ذہنِ انجم میں بھی پیدا ہو گئی تمکینِ فکر

اس طرح "بانگِ درا" سے رہنمائی تُو نے کی
خاک کے ہر ذرّے کی عقدہ کشائی تُو نے کی

اُٹھ پھر اے اقبالؔ! دُنیا پھر تغافل کوش ہے
تو اگر آوازِ فطرت ہے تو کیوں خاموش ہے؟
مضمحل شمعِ وطن کو پھر مذاقِ سوز دے
نغمۂ دوشیں کو اپنے جلوۂ امروز دے
پھر نیا پہلو بدل دے گردشِ ایّام کا
کیف تازہ کر خمارِ ہستیٔ ناکام کا
شامِ محشر تک بھی تیری یاد جا سکتی نہیں
تیرے احسانوں کو یہ دُنیا بھلا سکتی نہیں

غمِ اقبال

(از جناب پنا لعل شنشدر صاحب)

اب کہاں بزم نشیں ہی اقبال — ساکنِ خُلد بریں ہے اقبال
فلکِ فلسفہ و حکمت کا — لاجرم ماہِ مُبیں ہے اقبال
فرض کیجے جو جہاں کو خاتم — اس کا تابندہ نگیں ہے اقبال
ہے عناصر کا بگڑ جانا موت — غور کر دیکھ یہیں ہے اقبال
مردِ مومن کا یہی مرنا ہے — دیکھئے خندہ جبیں ہے اقبال

تلاشِ زیست سے تھک کر آخر
سو گیا زیرِ زمیں ہے اقبال

بیاد شاعر مشرق

(از جناب عاشق محمد حاذق صاحب)

سفر ز عالم فانی نمودهٔ امروز
بجان ما غم تازه فزودهٔ امروز

بجای آب ز چشمان همی چکید خوناب
ز زخم سینهٔ ملت چه سودهٔ امروز

قیاس کن بر سر ما گذرد چها امشب
مرا تو منظر محشر نمودهٔ امروز

چرا نه اہل نیابت زنند جام سرشک
که زیب محفل ایشان نبودهٔ امروز

پیام زندگی به بهر نفس همی دادی
چه شد که تاب دل ما ربودهٔ امروز

ز جلوهٔ دل مشرق را شرحه شرحه نمود
مگر شکیب دلش آزمودهٔ امروز

اقبال زما رفت

(از جناب غلام قادر صاحب فرخ صدر بزم سروش امرتسر)

بیتاب دل زارا کہ اقبال زما رفت
اقبال زما رفت
از دار فنا جانب دنیائے بقا رفت
اقبال زما رفت

آں بود حکیمے، پئے ہر درد دوائے
بے حرص و ہوائے
دانائے مسیحا نفس دست شفا رفت
اقبال زما رفت

بشکست دل غنچہ و شد چاک جگر گل
تر دیدۂ بلبل

ہمرنگ صبا آمد و ہمرنگ صبا رفت
اقبال ز ما رفت

نا واقفِ رہ قافلۂ ملت بیضا
در پیش خطرہا

خاموش بشد بانگ درا، راہنما رفت
اقبال ز ما رفت

آن نغمہ سرائیست، بہ غم محو فغانیم
بے روح روانیم

در محفل محبوب ازل دلبر ما رفت
اقبال ز ما رفت

خورشید صفت روشن و چون ماہ منیرے
رخشندہ ضمیرے

زین عالم ظلمات بصد نور و ضیا رفت
اقبال ز ما رفت

آن شہسۂ عصر و حق آگاہ نشستہ بود
بے توفہ مجسد

پیغامِ خودی داد بدرگاہِ خدا رفت
اقبال زما رفت
پیغامِ اجل یافت و شد راہیٔ جنّت
باشوق و مسرت
از امرِ خدا آمد و شاکر بہ رضا رفت
اقبال زما رفت

وفات اقبال

(از جناب غلام مصطفےٰ صاحب بی اے)

سوئے جنت ڈاکٹر اقبال رفت
در جوار رحمت متعال رفت

رفت از ما شاعر معجز بیاں
نازش اسلامیان حال رفت

سوز و ساز زندگی آموختہ
قوم را و خود باستقبال رفت

ماند رنج و غم بعالم حسرتا
باغ ملت از خزاں پامال رفت

گفت ہاتف بہر تاریخ وصال
صاحب آفاق سر اقبال رفت

۱۳۵۷ھ

آہ علامہ اقبال

(از جنابہ زیب عثمانیہ بیگم صاحبہ لدھیانوی)

کاشانۂ ہستی سے اقبال ہوا راہی
فطرت نے بلا بھیجا فطرت کا نمائندہ
ممکن نہیں گردوں سے اب اسکی تلافی ہو
ملت مری کھو بیٹھی وہ گوہر تابندہ
ہستی کی نشیبوں سے صدیوں نہیں مل سکتے
وہ عشق فلک پیما، وہ عقل فرازندہ
تاروں سی بہت آگے جاتی تھی نظر جس کی
رخصت ہوا گردوں سے وہ کوکب رخشندہ

وہ بندۂ حق آگہ بتلا گیا دُنیا کو!
بڑھتی نہیں ملت جو باطل سے ہے ترسندہ
سمجھے اُسے دیتا کیوں وہ محفلِ امکاں میں
تنہا اس کا تخیل جو کونین کا تازندہ
اُس بندۂ مومن کو فانی نہ سمجھ اے زیب
ایماں ہی تو دُنیا میں اک چیز ہے پائندہ

آہ! شاعرِ مشرق
ایک خاتون کے آنسو

(جنابہ فہمیدہ خاتون صاحب فرحت مدیرہ خاتون مشرق)

آہ! اے اقبال! اے ملکِ سخن کے تاجدار!
تیرے غم میں آج سارا ہند ہے ماتم گسار
مضطرب تیری جدائی سے ہیں روم و ایشیا
شاعرِ مشرق ہمارے درمیاں سے اُٹھ گیا
تیری ہستی ملک و ملت کے لئے تھی آفتاب
تیری شمع زندگی سے ہند و ایراں فیض یاب
دے گیا درسِ حیات تو نے ترا رنگیں کلام
زندگی افروز ملت کے لئے ترا پیام
تو نے ہی ہندی غلاموں کو دیا درسِ خودی
قلبِ فرحت کو کیا کیف آشنائے بیخودی
تیری ہستی ہوگئی دنیا کی نظروں سے نہاں
ہوگئی حاصل تجھے لیکن حیاتِ جاوداں

آہ! اقبال

(از جنابہ سردار بیگم صاحبہ اختر حیدر آبادی)

آہ! اے اقبال اے ہندوستاں کے آفتاب
اے مسیح عہد حاضر! اے حکیم انقلاب

اے کہ تیری شاعری عقدہ کشائے زندگی
اے کہ تیرا ہر تکلم دعوت صد اضطراب

ذرے کو بنایا تو نے رازِ کسبِ نور
خاک کو تو نے بنایا محرم صد آفتاب

ہند کے غفلت کدہ میں روحِ مسلم جاگ اٹھی
تو نے چھیڑا اس طرح سے عہد رفتہ کا رباب

رونق تہذیب حاضر تیرے آگے سرنگوں
عظمت دیرینۂ مسلم کا تنہا تو جواب

شاعرانِ وقت کے دل ہی سے اس کو پوچھیے
تو ہوا ہے شعر کی دنیا میں کتنا کامیاب

تیری رگ رگ میں تھی سوزِ دردِ مسلم کی تڑپ
تیری ساری زندگی تھی اضطراب و اضطراب

تیری رخصت سے ہوا مسلم کا نقصانِ عظیم
اب بتائے کون اہلِ خواب کو تعبیرِ خواب

کیا بتائیں اک نہ ہونے سے ترے کیا حال ہے
جیسے لٹ جائے کسی کی دولتِ حسن و شباب

پھول ہوں کیسے شگفتہ جب چلی جائے بہار
ذروں میں کیا سوز ہو جب چھپ گیا ہو آفتاب

اے ہمایوں نازشِ تزئینِ گلستاں تجھ سے تھی
شمعِ مسلم بزمِ ہستی میں فروزاں تجھ سے تھی

السلام، اے زندۂ جاوید اقبال السلام
صد مبارک باد تجھ کو گلشنِ دارالسلام

شاعرِ رنگیں بیاں، ملکِ سخن کے تاجدار
تیرے غم میں ہے دلوں کی مملکت اُجڑا دیار

اُڑ گیا باغِ جہاں سے طوطیٔ شیریں دہن
سوگوار اس کے الم میں کیوں نہ ہوں اہلِ وطن

حیف ہے اب بزمِ ہستی سے بجھا ایسا چراغ
سینۂ ہر مرد و زن ہے جس کے غم میں داغ داغ

آہ! محفل ہے سلامت، گرمیِ محفل نہیں
زندہ ہیں مسلم مگر سینوں میں اُن کے دل نہیں
آہ! اے اقبال تو تھا وہ درخت سایہ دار
قوم کو جس نے بنایا قومیت کا مایہ دار
چھپ اب خاموش ہیں تیرے لبِ معجز بیاں
کون اب دہرائے گا مسلم کی ماضی داستاں
کون مردہ جسم میں پھونکے گا اب روحِ عمل
کون اب مشکل کرے گا مسلمِ خستہ کی حل
موت سے وابستہ ہے سب کا نظامِ زندگی
زیست صبحِ زندگی ہے مرگ شامِ زندگی
رات کو آرام مل جاتا ہے تھک جانے کے بعد
شغل اچھا ہو تو اجر اس کا ہے مر جانے کے بعد
بوئے خوش پھیلی تو ہے گلزار میں وہ گل نہیں
زمزموں کی گونج پیدا ہے مگر بلبل نہیں
زندگی اقبال تیری ہو گئی وقفِ خزاں
مل گئی تجھ کو مگر اک زندگیٔ جاوداں

کر رہا ہے دُرِّ اشک اپنا ترے اُوپر نثار
اور دُعا گو حق سے ہے یہ شفقیؔ سینہ فگار
حشر تک تربت پہ تیری بارشِ انوار ہو
ہم نشیں اندر لحد کے رحمتِ غفّار ہو

سید محمد شاہ ایم۔ اے پبلشر نے دین محمدی پریس لاہور میں باہتمام ملک محمد عارف خاں پرنٹر چھپوا کر
اقبال اکیڈمی ۴۵ - الف سرکلر روڈ بیرون موچی گیٹ لاہور سے شائع کی۔